غدیرؑ سے کربلاؑ تک



حجۃ الاسلام علامہ مرزا محمد اطہر (انڈیا)

غدیر سے کربلا تک

تاریخِ اسلام کے پچاس سال

(۱۱ ہجری سے لے کر ۶۱ ہجری تک)

مجموعۂ مقالے

حجۃ الاسلام علامہ مرزا محمد اطہر صاحب (انڈیا)

مرتبہ

محترمہ ڈاکٹر زہراء بتول جعفری

پیش کش

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضلِ قم

ناشر

ادارہ منہاج الصالحین

جناح ٹاؤن، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور فون: 35425372

کتاب : غدیر سے کربلا تک

تقاریر : علامہ مرزا محمد اطہر قبلہ (انڈیا)

ترجمہ : محترمہ ڈاکٹر زہراء بتول جعفری

فنی معاونت : محدثہ بتول جعفری، زہراء بتول جعفری

نظرثانی : حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم

پروف ریڈنگ : چودھری محمد عمران حیدر جعفری، شیر محمد

طابع : ناصر پرنٹرز، لاہور

اشاعت : نومبر 2010ء

صفحات : 168

ہدیہ : 150 روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین۔ لاہور

الحمد مارکیٹ فسٹ فلور دکان نمبر 20۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

ترتیب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ، وَالصَّلٰوةُ
عَلٰى سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ
سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا وَحَبِيْبِنَا مَوْلَانَا اَبِى
الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ، وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِهٖ
الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ فِىْ كِتَابِ
الْمَجِيْدِ وَقَوْلَهُ الْحَق:

مجلسِ اوّل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۝

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرما رہا ہے:

"یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔

عزیزانِ محترم ـــــ!

ہم اسلام کے ماننے والے، اور عقائد اسلامی کے قبول کرنے والے لوگ ہیں۔ اسلام کو ہم نے ذریعۂ نجات اور آخرت کا سہارا تسلیم کر کے قبول کیا ہے، اور اپنے حتی الامکان اس بات کی کوشش کی ہے کہ ہم اسلام کو سمجھیں۔ اور اسلام کے متعلق پوری معلومات حاصل کریں۔ یہ سال جو آج یا کل تمام ہو جائے گا، اس کی اسلام کی تاریخ میں بڑی اہمیت ہے۔ ۱۰ ہجری اسلام کی تاریخ میں اس لیے اہم ہے کہ ۱۰ ہجری میں اسلام مکمل ہوا ہے۔ کہاں سے اس کا آغاز ہوا؟ ہم نہیں بتا سکتے۔ اس لیے کہ اس وقت عقل و شعور انسانی میں سنہ کا شمار نہیں تھا۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ مذہب کی تاریخ کے اعتبار سے کہ حضرت آدمؑ پہلے نبی تھے جو دین کا پیغام لے کے اللہ کی طرف سے آئے تھے۔ اب اس کو کتنا زمانہ ہوا، کتنے ہزار برس ہوئے، کتنے لاکھ برس ہوئے، کتنا دور گزرا؟ یہ تحقیق کرنا اور بتانا ذرا مشکل کام ہے۔ یہ ہم نہ بتا پائیں

گے، لیکن آج کے ہزاروں سال پہلے، بہت پہلے، جس وقت اس دنیا کی ابتدا ہوئی ہے، اس وقت اللہ کا پہلا نبی جو پہلا انسان بھی تھا اس وقت وہ اللہ کا نبی بن کے اللہ کا پیغام لے کے آیا تھا، اور جب سے انسانیت کا آغاز ہوا اس وقت سے اللہ کے پیغام کا بھی آغاز ہوا۔ اللہ نے رہبر کو پہلے بھیج دیا، اس کے بعد ہدایت کے پانے والے آئے۔

مذہب ہم کو یہ بتاتا ہے کہ پہلے انسان حضرت آدمؑ تھے، جو خالی انسان ہی نہیں تھے بلکہ پہلے نبیؑ بھی تھے۔ تو سب سے پہلے دنیا میں رہبر آئے پھر رہرو آئے، یعنی راستہ چلنے والے پہلے آئے اور راستہ بتانے والا بعد میں آیا؟

نہیں، ایسا نہیں ہے، بلکہ پہلے راستہ بتانے والا آیا، بعد میں راستہ چلنے والے آئے، اور اس کے بعد سے آج تک ہدایت اور دین کا سلسلہ قائم ہے، اور آج سے چودہ سو برس پہلے جو نبیؐ آیا وہ آخری نبی تھا۔ جو پیغام آیا وہ آخری پیغام تھا۔ جو شریعت آئی وہ آخری شریعت تھی۔

آج پہلی مجلس میں مَیں باتوں باتوں میں ایک بات اور کلیئر کر دوں، ہم سب لوگ کیونکہ عربی زبان سے واقف نہیں ہیں، ہماری زبان عربی نہیں ہے، اس لیے ہم بہت سے لفظوں میں کنفیوز ہو جاتے ہیں، اور اس کو صحیح نہیں سمجھ پاتے۔ ہماری زبان میں لفظِ دین اور لفظِ شریعت دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کبھی ہم دین کہتے ہیں، کبھی ہم شریعت کہتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ دین بڑا سرکل ہے اور شریعت اسی دین کے اندر چھوٹا سرکل ہے۔

غور کیجیے گا میں اس پیچیدہ مسئلے کو نکال کے عرض کر دوں تا کہ جلدی سمجھ میں آ جائے، دین بڑا سرکل ہے اور شریعت ایک چھوٹا سا سرکل ہے۔ وہ دین سے الگ نہیں ہے دین کے اندر ہی ہے، جیسے کہ مہاراشٹر اسٹیٹ ہندوستان کے اندر ہے، لیکن پورا ہندوستان نہیں ہے۔ غور کیا آپ نے؟

مہاراشٹر اسٹیٹ ہندوستان ہی میں ہے، ہندوستان سے کہیں باہر نہیں ہے۔ یا اتر پردیش یو پی جسے کہتے ہیں ہم لوگ یہ ہندوستان کے باہر کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ہندوستان کے اندر ہی ہے لیکن پورا ہندوستان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی ہے، ویسے ہی شریعت دین سے الگ کوئی باہر کی چیز نہیں ہے۔ دین کے اندر ہی ہے مگر سب کچھ وہی نہیں ہے، کچھ اور بھی ہے؟ جو چیز پیغمبروںؑ کے آنے میں بدلتی رہی وہ شریعت بدلی ہے دین نہیں بدلا ہے۔ اب پھر میں مثال سے واضح کردوں تاکہ جلدی سمجھ میں آجائے۔

دیکھئے ـــــ!

آپ جو یہاں رہتے ہیں ہم لکھنؤ میں رہتے ہیں، آپ بمبئی میں رہتے ہیں ہمارے اوپر دو حکومتیں ہیں، دو گورمنٹس ہیں، ایک نہیں ہے، ایک سنٹرل گورنمنٹ (Central Government) کے قاعدے قانون ہیں جو ہم پر لاگو ہوتے ہیں اور ایک پراونسیل گورنمنٹ (Provincial Government) کے قانون ہیں، جو ہم پر لاگو ہوتے ہیں۔ کچھ قاعدے قانون ایسے ہیں جو سنٹرل گورنمنٹ کے قاعدے قانون ہیں، اور کچھ قانون ایسے ہیں جو پراونسیل گورنمنٹ کے قاعدے قانون ہیں، تو پراونسیل گورنمنٹ کے جو قانون ہیں وہ ہوسکتا ہے کہ مہاراشٹر گورنمنٹ نے کوئی بات کمپلسری (Compulsory) رکھی ہو اور یو پی گورنمنٹ نے نہ رکھی ہو۔ تو جب مہاراشٹر میں آئیں گے تو یہ ماننا پڑے گی اور جب ہم یو پی چلے جائیں گے تو وہ ماننا پڑے گی، لیکن سنٹرل گورنمنٹ کے جو قانون ہیں، چاہے یو پی میں ہوں، بہار میں ہوں، مہاراشٹر میں ہوں، گجرات میں ہوں، بنگال میں ہوں، آندھرا پردیش میں ہوں، کرناٹک میں ہوں، کہیں بھی ہوں، یہ قاعدے قانون ہم کو ہر جگہ ماننا پڑیں گے۔

ایسے ہی ایک چیز ہے دین جو آدمؑ سے لے کر سرورِ کائنات تک کہیں نہیں بدلا، وہ ایک ہی رہا۔ سب پیغمبروں نے وہی بات کہی، ایک چیز ہے شریعت۔ شریعت جو ہے اس میں تھوڑی بہت تبدیلی انسانی ضروریات کے مطابق ہوتی رہیں۔ اب آپ کہیں گے کہ یہ شریعت ہے کیا چیز؟ تو عبادتوں کی ترکیبات جو ہیں وہ شریعت میں آتے ہیں۔ نماز رہی ہے ہر زمانے میں لیکن کس ٹائم میں ہے، کتنی رکعت ہے، کس وقت ہے؟ تو حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں اور تھا، حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں کچھ اور تھا، حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں شریعت کچھ اور رہی۔ نماز وہی نماز ایک ہی رہی ہر زمانے میں، لیکن دو رکعت کس وقت، چار رکعت کس وقت، میت کی نماز کیسے، جمعہ کی نماز کیسے؟ اس میں ذرا ذرا سی تبدیلی ہوتی رہی۔ روزہ اسی طرح پہلے بھی تھا۔ ایسا نہیں ہے کہ پہلے روزہ نہیں تھا۔ روزہ پہلے بھی تھا، لیکن سال بھر روزے رکھے جائیں، کہ چھ مہینے روزے رکھے جائیں کہ سال میں تیس روزے رکھے جائیں، اور وہ مسلسل رکھے جائیں یا الگ الگ رکھے جائیں؟ اس کے اندر تبدیلی ہوتی رہی۔

اسی طرح سے سزائیں، تعزیرات کس جرم کی کیا سزا ہے؟ کون سی چیز کہاں پہ حلال ہے؟ کہاں پہ حرام ہے؟ بنی اسرائیل کے زمانے میں ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کرنا حرام تھا، اور اب نہیں ہے۔ کوئی پابندی اس طرح کی تو اس طرح سے شریعت جو ہے وہ احکامِ اسلامی کے جزئیات ہیں اور دین وہ ہے جو ہمیشہ سے ایک رہا ہے۔ یہ سال جو ہے ۱۴۱۰ ہجری وہ اس لیے اہم ہے اس لیے امپارٹنٹ (Important) ہے کہ وہ دین جو حضرت آدمؑ سے شروع ہوا تھا وہ اس سال جا کے مکمل ہوا ہے اور دین کو مکمل ہوئے اس سال چودہ سو سال پورے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ہم کو بحیثیت مسلمان ہونے کے اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ جس دین کو ہم مانتے ہیں وہ آج سے چودہ سو سال پہلے اسی سال میں مکمل ہوا تھا۔

لہٰذا آج پہلی شب کچھ جملے اس کے متعلق، اور اس کے بعد میں اپنے اس سبجیکٹ (subject) کا انٹروڈکشن (Introduction) کروں گا۔ جو کچھ مجھے اس سال پڑھنا ہے تو پہلے دین کے مکمل ہونے کی بات کر لیجیے۔ اور اس کے بعد پھر ہم آگے کی بات کریں گے، کیونکہ دین ۱۰ ہجری میں مکمل ہوا اور ۱۰ ہجری میں یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ

آج کے دن ہم نے اَلْیَوْمَ، آج کے دن ہم نے تمہارے دین کو کامل کیا ہے، آج کے دن کامل ہوا۔ تو آج کے دن جو کہا یہ ۱۰ ہجری میں تھا۔

تو بس ایک بات پر غور کر لیجیے کہ دین میں آج کون سی چیز کا اضافہ ہوا ہے، کون سی چیز آج ایڈ (Aid) ہوئی ہے۔ اس لیے کہ دو چیزیں ہیں: ایک کا نام اُصولِ دین ہے، ایک کا نام فروعِ دین۔

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ جو چیز بدلی ہے وہ شریعت ہے، اور دین نہیں بدلا ہے۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ آج ہم نے دین کو مکمل کیا ہے، اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ آج ہم نے تمہارا دین کامل کیا ہے، شریعت نہیں۔

تو ذرا سا خالی سن نہیں لینا چاہیے بلکہ اس پر دماغ بھی لگانا چاہیے، اور یہ سوچنا چاہیے کہ دین میں کیا کیا چیزیں پہلے سے تھیں، اس لیے کہ جو چیز مکمل ہوتی ہے تو جب اس میں کوئی نئی چیز شامل ہوتی ہے تو مکمل ہوتی ہے۔

بھئی غور کیجیے آپ کہ کوئی چیز جب نامکمل ہوگی تو پھر مکمل کیسے ہوگی؟ یا کوئی چیز اس کے اندر ایڈ کی جائے شامل کی جائے گی تب تو کمپلیٹ (complete) ہوگی؟ ورنہ اگر پہلے سے دس چیزیں ہیں اور کوئی گیارہویں چیز اس میں آپ نہیں لگائی تو آپ کہیں گے کہ یہ چیزیں تو کل بھی تھیں، تکمیل کے لیے تو کوئی نئی

ہونی چاہیے تب تو مکمل ہوگئی ہے نا؟

تو اب چلیے دھیرے دھیرے سروے کریں کہ دین ہے کیا؟ کیا کیا چیزیں دین ہیں، تو اس کے لیے ہمیں بچپنے ہی میں یاد کرائے گئے تھے۔ اُصولِ دین اور فروعِ دین۔ اُصولِ دین میں پانچ باتیں بتائی گئیں۔ اُصولِ دین میں جو چیز پہلے سمجھائی گئی تھی وہ یہ تھی کہ اوّل توحید یعنی اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ سب سے پہلے یہ اُصولِ دین میں بتائی گئی تھی کہ یہ عقیدہ رکھو کہ اللہ ایک ہے اور کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہے۔ وہ وَحدَہٗ لَا شَرِیکَ ہے۔

تو یہ بات کب سے بتائی جاتی رہی؟ یہ بات تو حضرت آدمؑ نے بتائی تھی کہ اللہ ایک ہے، حضرت ابراہیمؑ نے بتائی تھی کہ اللہ ایک ہے۔ کون پیغمبر ایسا تھا کہ جس نے یہ بات نہ بتائی ہو کہ اللہ ایک ہے؟ پہلے توحید کو سمجھایا اس کے بعد پھر اور کوئی بات بتائی گئی۔

تو چلیے توحید تو پہلے سے تھی۔ ۱۰ ہجری میں توحید کی تبلیغ نہیں ہوئی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ تبلیغ توحید سے دین مکمل ہوا ہے تو یہ کام ۱۰ ہجری میں نہیں ہوا ہے۔ یہ حضورؐ سے پہلے جو نبی گزرے ہیں وہ بھی توحید کی تعلیم دیتے رہے۔

غور فرمایا آپ نے ــــــــ؟

اب آیئے عدل یعنی اللہ عادل ہے، تو اگر اللہ عادل نہیں ہوگا تو کوئی گارنٹی کوئی سیکورٹی کسی بات کی ہے ہی نہیں۔

دیکھیے میں نے کہا: فلاں صاحب اگلے مہینے اپنے آفس کے سب سے بڑے ہو جائیں گے کیونکہ ان کا سینئر جو ہے وہ اگلے مہینے ریٹائر ہو رہا ہے۔ تو اب وہ امید کر رہے ہیں کہ اب اگلے مہینے اگست سے اس کرسی پر میں بیٹھوں گا، اور آج جس کا اپائنٹمنٹ ہو رہا ہے وہ اُمید نہیں کر سکتا، اسے حق بھی نہیں ہے، یہ سب کچھ انصاف

کے تحت ہے۔ ورنہ اگر جو ابھی مقرر کیا گیا ہے، جس کی تقرری آج ہوئی ہے، وہ جا کے اس کرسی پر بیٹھ جائے اور کہے کہ یہ میرا حق ہے تو جو یہ سیکورٹی ہے ہر ایک کے لیے یہ قانون اور انصاف کی بنیاد ہے۔

میں اپنے گھر میں رہتا ہوں، گھر میں نے بنایا۔ آپ طاقتور تھے۔ آپ نے مجھے گھر سے نکال دیا اور قبضہ کر لیا، تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ یہ گھر میں نے خریدا ہے، لہٰذا میں رہوں اس جگہ پر جو خالی ہو رہی ہے۔ میں سینئر ہوں لہٰذا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ میں بیٹھوں، تو دنیا کا ہر کام انصاف کی بنیاد پر چل رہا ہے۔ اگر انصاف نہ رہے، دنیا میں تو پوری دنیا اُلٹ پھیر ہو جائے گی۔ نہیں چل سکتی۔ انصاف کے سہارے چل رہی ہے۔

تو جو دنیا کا سب سے بڑا، اور دنیا کا خالق ہے اگر اسی میں انصاف نہ ہو تو کیا گارنٹی ہے کہ آپ زندگی بھر نماز پڑھیں، روزے رکھیں، خیرات کریں اور قیامت کے دن اس کا موڈ خراب ہو جائے اور کہے ڈال دو اسے جہنم میں تو انصاف چاہیے نا؟ انھوں نے کہا: صاحب نمازی ہے، روزے دار ہے۔ اس نے گناہ نہیں کیے ہیں۔ کہا: کچھ نہیں ہم بھی کہتے ہیں کہ ڈال دو اسے جہنم میں، اور وہ جناب پکا چور، بدمعاش، جواری، شرابی، ظالم، قاتل اور کہا: اس کو ڈال دو جنت میں، تو دنیا کی کوئی چیز ہی نہ رہ جائے گی۔ اگر انصاف نہ ہو، نہ کہیں عمل کی گارنٹی رہے، نہ کسی پر بھروسہ رہے۔

لہٰذا عادل ہر نبیؑ نے بتایا، کسی نبیؑ نے یہ نہیں کہا کہ اللہ عادل نہیں ہے۔ جناب آدمؑ نے کہا: اللہ عادل ہے، جناب نوحؑ نے کہا: اللہ عادل ہے، حضوؐر نے بھی کہا کہ اللہ عادل ہے۔ لہٰذا ۱۰ ہجری میں عقیدۂ عدالت بھی نہیں شامل ہوا، جو کہا جائے کہ اللہ کی عدالت کے ذریعہ دین مکمل ہوا۔

اب آیئے نبوت، تو نبیؑ ایک لاکھ چوبیس ہزار گزرے، تو جہاں سے نبیؑ چل

رہے ہیں وہیں سے عقیدۂ نبوت بھی چل رہا ہے۔
لہٰذا آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ نبوت ۱۰ ہجری میں شامل ہوئی تو دین مکمل ہوا۔ یا قیامت تو ہر نبی نے قیامت کی تبلیغ کی، کس نبی نے نہیں بتایا؟ حضوؐر نے نہیں بتایا؟ مکہ میں جو سورے نازل ہوئے ہیں اس میں قیامت کے تذکرے موجود ہیں۔
آپ اُٹھا کر دیکھ لیں قرآن اور ایک جگہ نہیں بیسیوں پچاسیوں جگہ موجود ہے۔ قیامت کا تذکرہ، تو اگر قیامت کا تذکرہ بھی ۱۰ ہجری میں نہیں شامل ہوا۔ اگر عقیدۂ قیامت سے تکمیل دین نہیں ہوئی اور اس عقیدے کے شامل کیے جانے پر بھی دین مکمل نہیں ہوا تو اب آیئے یہ تو اُصولِ دین ہو گئے؟
اچھا فروعِ دین کی بھی اہمیت کم نہیں ہے۔ وہ بھی بہت اہم ہے۔ چلئے اس کو بھی سروے کر لیں، ہو سکتا ہے ۱۰ ہجری میں فروعِ دین میں سے کوئی چیز شامل کی گئی ہو؟
جس کی وجہ سے یہ آیت نازل ہوئی کہ آج ہم نے دین کامل کر دیا تو فروعِ دین میں سب سے اوّل نماز، جی نماز کی بہت اہمیت ہے اور نماز بہت بڑا حکم اور بہت بڑی عبادت ہے۔ اسلام میں، مگر ہمیں پتہ لگا کہ نماز حضور سرورِ کائناتؐ سے پہلے تھی، دوسری اُمتوں پہ نماز تھی۔ اس کے ثبوت ہمیں ملے، ڈھیرے ڈھیرے اور ثبوت ملے ہوں نہ ملے ہوں قرآن مجید میں آیت ملی ہے۔
جنابِ عیسٰیؑ نے پیدا ہوتے ہی کہا کہ "مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی گئی جب تک میں زندہ رہوں، تو حضوؐر کے پیدا ہونے میں ابھی پانچ سو برس باقی ہیں، اور عیسٰیؑ کہہ رہے ہیں کہ مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی گئی ہے، تو کہہ اُن سے رہے ہیں جو قوم والے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جنابِ عیسٰیؑ کے آنے سے پہلے نماز اور زکوٰۃ تھی۔
غور فرمایا آپ نے ــــ؟

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب موسیٰؑ کے زمانے میں بھی نماز اور زکوٰۃ تھی تو چلیے قرآن سے ثبوت مل گیا کہ نماز بھی وہی پرانی چیز تھی اور ساتھ ہی زکوٰۃ کا معاملہ بھی طے ہو گیا کہ زکوٰۃ بھی وہی پرانی چیز ہے۔ روزہ بھی بہت بڑی عبادت ہے۔ شاید ۱۰ ہجری میں یہی شامل ہوا ہو دین میں۔ ارے انھوں نے کہا کہ کیسی بات کرتے ہیں آپ؟ قرآن میں یہ آیت موجود ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

"اے ایمان والو! تم پر روزے لکھ دیے گئے بلکہ اسی طرح جیسے تم سے پہلے اُمتوں پر لکھے گئے تھے"۔

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ ہم سے پہلے کی اُمتوں پہ بھی تھا، تو ۱۰ ہجری میں وہ بھی شامل نہیں ہوا۔ اچھا ہو سکتا ہے کہ حج شامل ہوا ہو ۱۰ ہجری میں؟ تو حج کا حکم جو ہے وہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے ہے۔ ان کی تمام یادگاریں جو ہیں وہ حج میں موجود ہیں۔ لہٰذا حج بھی ۱۰ ہجری میں شامل نہیں ہوا۔ یہ بھی سینکڑوں برس سے چلا آرہا ہے۔ اچھا ہو سکتا ہے جہاد شامل ہوا ہو۔ تو انھوں نے کہا کہ آپ کیا بات کر رہے ہیں۔ جہاد شامل ہوا ہو؟ ارے اس آیت کے اُترنے سے پہلے بدر و اُحد، خیبر و خندق جیسے جہاد ہو چکے تھے، اور جہاد تو حضور سرورِ کائناتؐ کے پہلے سے ہے۔ بنی اسرائیل کے تذکرے میں ہے کہ انھوں نے کہا کہ دعا کرو کہ ہمارا کوئی پیغمبر بادشاہ بنے تاکہ ہم اس کے سہارے جہاد کریں، اور جناب طالوت کو بادشاہ بنایا گیا۔ جناب داؤدؑ، جناب سلیمانؑ کے والد جو نبی تھے انھوں نے جہاد کیا، تو جہاد بھی تو بہت پہلے سے اسلام میں چلا آرہا ہے۔

تو بھی سوچئے تو سہی کہ پھر وہ کون سی چیز دین میں شامل ہوئی تھی کہ جس کی

وجہ سے دین مکمل ہوا۔ ارے بھائی! سارا اسلام، میں نے آپ کو اُصول دین فروع دین سنا دیئے، توحید پہلے سے موجود، عدل پہلے سے موجود، نبوت پہلے سے موجود، قیامت پہلے سے موجود، نماز پہلے سے موجود، روزہ پہلے سے موجود، حج پہلے سے موجود، زکوٰۃ پہلے سے موجود، جہاد پہلے سے موجود، سب کچھ تو پہلے سے موجود۔ پھر یہ کون سی چیز شامل ہوئی ہے کہ جو کامل ہوا اسلام؟

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

"دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔

ایک طرف تو دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے دوسری طرف دین جو ہے وہ سارا پہلے سے موجود ہے۔ قرآن کہہ رہا ہے: اَلْيَوْمَ۔ آج کے دن ہم نے دین اسلام کو مکمل کیا ہے، تو تاریخ سے پوچھئے تو کہ کون سی شے شامل ہوئی ہے جو آج دین مکمل ہوا ہے؟

اب جو تاریخ سے پوچھا جاتا ہے تو تاریخ بولتی ہے کہ اسلام اعلانِ ولایت حیدر کرّار سے مکمل ہوا ہے ___ (صلوات)

۱۰ ہجری میں، امامت شامل کی گئی ہے۔ ولایت شامل ہوئی ہے اس لیے دین مکمل ہوا ہے: اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ "آج ہم نے تمہارا دین مکمل کیا ہے"۔ تو یہ آج کے دن جو شے شامل ہوئی ہے اس کا نام ہے امامت، اور اللہ کہہ رہا ہے: رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا "ہم نے تمہارے دین اسلام کو، دین پسندیدہ قرار دیا"۔

اب جو امامت شامل ہوئی اب اللہ کو پسند آیا یہ مکمل گلدستہ، جس کے اندر سب رنگوں کا پھول شامل ہو گیا ___ (صلوات)

اب اس کے اندر، مَیں چونکہ اکثر کہا کرتا ہوں کہ ہماری زبان چونکہ عربی نہیں ہے، اسلام کی پوری داستان عربی میں ہے، لہٰذا بہت سی لفظیں سمجھنے میں ہمیں زحمت

ہوتی ہے۔ ایک چیز کا نام ہے امامت، ایک چیز کا نام ہے رسالت، ایک چیز کا نام ہے خلافت، ایک چیز کا نام ہے ولایت۔ یہ سب لفظیں استعمال ہوتی رہی ہیں۔ یہ سب عہدے ہیں۔ رسالت بھی عہدہ ہے، امامت بھی عہدہ ہے، خلافت بھی عہدہ ہے، نبوت بھی عہدہ ہے، ولایت بھی عہدہ ہے۔ آپ کہیں گے کہ یہ کیسے کہہ دیا آپ نے؟

تو میں نے نہیں کہا، قرآن کہہ رہا ہے کہ یہ منصب ہے، عہدہ ہے۔ لیکن ان میں سب سے بڑا عہدہ ولایت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسالت بھی بہت بڑا عہدہ ہے، خلافت بھی بہت بڑا عہدہ ہے، لیکن آپ اللہ کو خلیفہ کہیے تو کافر، اللہ کو امام کہیے تو کافر، اللہ کو نبی کہیے تو کافر، اللہ کو رسول کہیے تو کافر، اللہ کی شان کے مطابق نہ نبوت ہے، نہ امامت ہے، نہ خلافت ہے، نہ رسالت ہے مگر ولایت اللہ کے قبضے میں بھی ہے۔۔۔۔ (صلوٰۃ)

اللہ کو آپ نبی کہہ کے دیکھیے، اللہ کو آپ امام کہہ کے دیکھیے، اللہ کو آپ خلیفہ کہہ کے دیکھیے، تو اللہ ولی ہے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ○

"تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسولؐ ہے، اور وہ لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ کو ادا کرتے ہیں حالانکہ وہ رکوع کرتے ہوئے ہوتے ہیں"۔

تو اللہ ولی ہے، یہی ولایت اختیار دیتی ہے۔ حق دیتی ہے نبوت کرنے کا یا امامت کرنے کا، اسی ولایت کی وجہ سے، یہ ولایت ہے جس کی وجہ سے ایک دوسرے پر حاکم بنتا ہے۔

غور فرمایا آپ نے ــــ؟

یہ ولایت ہے جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو ڈائرکشن دیتا ہے کہ اُدھر نہ جاؤ، وہاں نہ جاؤ۔ یہ نہ کرو وہ نہ کرو۔ تو اس سال کے عشرہ میں، میں نے اس آیہ کریمہ کا انتخاب کیا ہے کہ "یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہم سب مسلمان ہیں، ہمیں اسلام کو پورے طریقے سے سمجھنا ہے، بات یہ آئی کہ اگر سب مل کے ایک ہی بات کہہ رہے ہوتے، تو جو سب کہہ رہے ہوتے ان کی آواز میں ہم بھی آواز ملاتے اور وہی کہنے لگتے مگر لفظ اسلام کی توضیح و تشریح، یعنی اگر ایک جگہ پر دس بیس آدمی بیٹھے ہوں تو جب ان سے پوچھا جائے کہ آپ کون ہیں تو وہ کہیں گے ہم مسلمان ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب نماز کا وقت آئے گا تو ان کا طریقہ بھی ایک نہ ملے گا۔ اپنے عقیدے کے اظہار کی بات آئے گی تو الگ الگ عقیدوں کا اظہار ہوگا۔ ایک فاتحہ پڑھ رہا ہے دوسرا اس کی مخالفت کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام تو ایک ہے مگر تشریح و توضیح اسلام میں فرق ہو گیا۔ سب نے اپنے اپنے عقیدے، اپنے اپنے علم اور اپنی اپنی فکرِ فہم کے مطابق اسلام کی تشریح کی جس کی وجہ سے ایک اسلام میں فرق ہو گیا اور اختلاف ہو گیا۔

تو میں نے اس مسئلہ پر سوچنا شروع کیا اور جب سوچا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ جب تک حضور سرورِ کائناتؐ زندہ رہے، اس وقت تک کوئی اختلاف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ رسولؐ کی موجودگی میں مسجد میں دو طرح سے نمازیں پڑھی گئی ہوں۔ عقل کہتی ہے ایسا نہیں ہوگا۔ حضورؐ کی موجودگی میں افطار کے وقت میں فرق آیا ہو۔ عقل کہتی ہے کہ ایسا نہیں ہوا ہوگا۔ حضورؐ کی موجودگی میں افطار کے وقت میں فرق آیا ہو؟ عقل کہتی ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں میں کوئی اختلاف ہوا ہو، مگر جب حضورؐ کے پاس آئے ہوں گے تو انھوں نے جواب دے دیا ہوگا، اور وہ ختم ہو گیا

ہوگا اور پھر اسی طریقے پر آگئے ہوں گے، لیکن جب حضورؐ تشریف فرما نہ رہے ہوں گے دنیا میں تو جس مسلمان کو جیسا یاد رہا ہوگا، انھوں نے ویسا بتایا۔

غور کیا آپ نے ـــــــ؟

جس مسلمان کو جیسا یاد رہا ہوگا انھوں نے ویسی بات بتائی، اور جس نے جس کو معتبر سمجھا اس کی بات کو مانا ہے کہ نہیں؟ جس نے جس کو معتبر سمجھا اس کی بات کو مان لیا۔ آپ نے میری بات کو معتبر سمجھا میری بات کو مان لیا، اور ان کی بات میں تھوڑا سا فرق ہوگیا تو ہمارے اور ان کے ماننے والوں کے درمیان تھوڑا سا فرق ہوگیا۔ اب یہی فرق جب لمبے عرصے تک داخل رہ گئے، تو وہی مسلک بن گئے۔ وہی فرقے بن گئے۔

غور کیا آپ نے ـــــــ؟

تو کیا آج کی دنیا ریسرچ کی دنیا ہے۔ معلومات حاصل کرنے کی دنیا ہے، اور نئی نئی باتیں معلوم ہورہی ہیں آج، اور علم کے قافلے آگے بڑھ رہے ہیں۔

تو کیا کوئی قافلہ ایسا نہیں نکل جاتا ہے کہ جو کہے کہ ہم تحقیق کریں گے اور ریسرچ کرکے ان بنیادوں کو ڈھونڈ کے اور اتحاد کی طرف مسلمانوں کو دعوت دیں گے؟ تو اس کے لیے میں نے اس سال کی مناسبت سے اپنا جو موضوع منتخب کیا ہے وہ ۱۱ ہجری سے ۶۱ ہجری کا سروے ہے اور ۱۱ ہجری اس لیے بڑی اہم ہے کہ ۱۱ ہجری میں حضورؐ دنیا سے رخصت ہوئے، لہٰذا جو بھی اختلافات شروع ہوئے ہوں گے وہ ۱۱ ہجری سے شروع ہوئے ہوں گے۔ تو اب اگر ۱۱ ہجری سے ۱۴۱۱ تک کا سروے کیا جائے تو حضور نہ میرے پاس اتنا ٹائم ہے، نہ اتنا علم ہے اور نہ اتنا پڑھنا ہی ہوتا ہے کہ سال بھر کے اندر میں چودہ سو برس کا سروے کرکے لا کے آپ کے سامنے رکھ دوں، لہٰذا اس کے اندر میں نے ایک پیریڈ معین کیا ہے۔ پچاس برس، چودہ سو برس

میں، ساڑھے تیرہ سو برس میں نے کم کر دیئے اس لیے ساڑھے تیرہ سو برس میں جو حالات پیدا ہوئے وہ آئینہ ہیں اس دور کا جو حضور کے بعد پہلے پیدا ہوئے۔

لہٰذا میرا سروے جو ہے وہ تاریخ اسلام کے پچاس سال ہیں، وہ ۱۱ ہجری سے ۶۱ ہجری تک۔ یہ پچاس سال کا واقعہ ہے۔ ۱۱ ہجری میں رسولؐ دنیا سے گئے ہیں، اور ۶۱ ہجری میں رسولؐ کا نواسہ شہید کیا گیا ہے۔ رسولؐ سے حسینؑ تک کے درمیان پچاس سال کا پیریڈ ہے۔ اسی پچاس برس کے اندر جمع قرآن بھی ہے، خلافتِ راشدہ بھی ہے۔ اسی پچاس برس کے اندر صلح حسنؑ بھی ہے۔ اسی پچاس برس میں شہادتِ حسینؑ بھی ہے، یعنی جو کچھ بھی ہے وہ اسی پچاس برس میں، پچاس کے بعد تو خالی جھلکیاں ہیں۔ اسی کی جو پہلے ہوا ہے۔

غور فرمایا آپ نے ــــــ؟

میں نے اس سبجیکٹ پر محنت کی ہے۔ سوچا بھی ہے کچھ، کچھ پڑھا بھی ہے۔ بہر حال جو میرا سبجیکٹ ہے وہ یہ ہے کہ تاریخ اسلام کا پیریڈ ۱۱ ہجری سے ۶۱ ہجری تک، تو خلاصہ ہو گیا میری بات کا کہ ہم تاریخ اسلام کا سروے کریں گے، اس لیے کہ ۱۱ ہجری میں حضور سرورِ کائناتؐ دنیا سے رخصت ہوئے، اور آتے آتے ۶۱ ہجری میں وہ حالات پیدا ہوئے کہ رسولؐ کا نواسہ کربلا میں شہید کر دیا گیا۔ لہٰذا تاریخ اسلام کے امپارٹنٹ (important) لمحات جو ہیں وہ اسی کے اندر ہیں۔ صحابہ کرام کا پیریڈ جو ہے وہ اسی دور میں ہے۔ تمام عام باتیں جو ہیں وہ اسی دور میں ہی ہیں، اور حدیثیں روایتیں جو لی جاتی ہیں وہ اسی دور سے لی جاتی ہیں۔ ہر روایت کے پہلے پہلے راوی جو ہیں وہ اسی دور میں ملیں گے۔ اس کے بعد پھر دوسرے اور تیسرے راوی ملیں گے جنھوں نے ان سے روایت کی۔ انھوں نے ان سے روایت کی، تو پھر بات آگے بڑھ جاتی ہے، لیکن پہلا اسٹیج جو ملے گا آپ کو وہ اسی دور کے اندر ملے گا۔

اس لیے کہ اس پچاس برس کے اندر جو ہیں وہ اور بچپل کورسز ہیں۔ تو یہی پچاس برس جو ہیں وہ اسلام کی تاریخ کے بڑے اہم ہیں۔ تو یہی سروے ہو جائے تا کہ پتہ چل جائے کہ اسلامی حقانیت کیا ہے، اور کہاں کہاں اس کے اندر گڑ بڑ ہوئی ہے۔ اس لیے کہ جو تحریک بنام امن، بنام اتحاد، بنام خوشحالی، بنام خوش بختی، بنام انسانیت شروع ہوئی تھی، پچاس برس کے اندر اندر اس کا انجام قتلِ حسینؑ تک گیا۔

لہٰذا ہمیں سوچنا ہے، ہمیں غور کرنا ہے، ہمیں تحقیق اور ریسرچ کرنا ہے کہ کون سے اسباب تھے اور کیا باتیں ہوئیں جس کے نتیجے میں رسولؐ نے جنھیں اپنی گود میں پالا تھا، اس کے سامنے تلواریں لے کے میدان میں آگئے، اور جو رسولؐ کا کلمہ پڑھتے انھیں اتنی بھی غیرت نہ تھی کہ وہ ان کے بچوں کو ایک گھونٹ پانی پلا دیتے؟

بات کرنے کی ہے، سمجھنے کی ہے، فکر کرنے کی ہے، اب کہیں کسی کے دماغ میں یہ بات نہ پیدا ہو کہ ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کا سروے کر کے آپ کو کیا ملے گا۔ تو اس پیریڈ کا رزلٹ ہمیں نکال کے آج دینا ہے بچوں کو، اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کا نوجوان جو سوچ رہا ہے کہ جو اسلام اتنے وعدے کے ساتھ آیا تھا کہ اگر اللہ کو مان لو تو آخرت ہے، نجات ہے۔ یہ ہے، وہ ہے، تو کیا یہ ٹمپریری (temporary) وعدے تھے، عارضی وعدے تھے جو چودہ سو برس ہو گئے ابھی تک پورے نہیں ہوئے؟

لہٰذا اگر ہم بنیادی سبب پکڑ لیں گے تو ہم دنیا کو بتا تو پائیں گے کہ اسلام اپنے وعدے کو پورے کر دیتا اگر اسلام میں یہ سانحہ نہ ہوا ہوتا۔

غور فرمایا آپ نے ـــــــ؟

کہ جو مسئلہ ہے وہ سامنے کا سیدھا سیدھا یہ ہے کہ اسلام اپنے وعدے کو پورے کر دیتا اگر تاریخ میں یہ سانحہ نہ ہوا ہوتا۔ اگر یہ حادثہ نہ گزرا ہوتا۔ اس لیے آج جو یہ مذہب کے اُوپر سے اعتبار ہٹتا جا رہا ہے اس کی بنیادی وجہ تو ہم پکڑ کے لائیں کہ

یہ سبب ہے جس کی وجہ سے آپ کو بھی خوش حالی نہ مل سکی، وہ امن نہ مل سکا، وہ اتحاد نہ مل سکا، وہ علم نہ مل سکا جس کے نتیجے میں آج کہاں پہ ہوتے۔ تو اس طرح سے آج میں نے اپنے سبجیکٹ کا انٹروڈکشن کرا دیا۔ موضوع کا تعارف ہو گیا، اور ضرورت تھی ذرا تفصیل سے انٹروڈکشن کرانے کی۔ ورنہ ہر مرتبہ میں ایک دو جملے بول دیتا تھا، مگر اب کی مرتبہ مجھے بیس منٹ لگ گئے، اس لیے کہ یہ سبجیکٹ ذرا عام راستوں والا نہیں تھا۔ ان شاء اللہ کل سے اگر زندگی رہی تو میں آپ کی خدمت میں تفصیل سے وہ حالات پیش کروں گا، بہر حال میرا سبجیکٹ ۱۱ ہجری سے ۶۱ ہجری تک اسلام کا سروے ہے، اور اس کے اندر حیاتِ رسولؐ پر ہمیں بار بار ریسرچ کرنا پڑے گا۔ لہٰذا سروے تو ہمارا ۱۱ ہجری سے ۶۱ ہجری تک چلے گا مگر ہمیں استدلال کے لیے بار بار واپس جانا پڑے گا وہاں، کبھی دعوتِ ذوالعشیرہ کی طرف، کبھی خیبر میں، کبھی خندق میں، کبھی شبِ ہجرت میں، کبھی مدینے میں، کبھی مکے میں، بہر حال یہ نہ کہیے گا کہ اپنے موضوع سے ہٹ گئے ہیں۔ تو پچاس برس تو یہ ہیں، اور تیئیس برس حضورؐ کی تعلیمات کے ہوں گے، جسے ہمیں بار بار لانا پڑے گا اور تحقیق کر کے اپنے مطلب کی بات نکالنا پڑے گی۔

ذکرِ مصائب!

تو اب یہ گفتگو، یہ ریسرچ فیض ہے حسینؑ ابن علیؑ کا۔ جن کے در سے ہمیں سب کچھ ملتا ہے اور ان کا زمانہ آ گیا، اور محرم شروع ہو گیا۔ جیسا کہ ابھی ہمارے اظہار صاحب نے اپنے اعلان میں بتایا کہ ۲۹ تاریخ سے بہر حال مجلس شروع کر دی جاتی ہے۔ چاند ہو یا نہ ہو، اس لیے کہ حسینؑ پر رونے کے یہ دس دن ملتے ہیں، اس لیے دل نہیں چاہتا کہ اس میں ایک لمحہ بھی کم ہو، اور حسینؑ ابن علیؑ کربلا کے شہید کی شخصیت ایک ایسی شخصیت ہے کہ ہم بے قرار ہو کے روتے ہیں۔ سوگوارانِ حسینؑ پھر

عزا خانے سج گئے۔ پھر محرم آ گیا، پھر لوگوں نے کالا لباس زیب تن کرلیا۔ اس بے کس پر رونے کے لیے جس کی بہن اپنے بھیا پر رونے بھی نہ پائی، جس کی بیٹی اس کی صفِ عزا نہ بچھا پائی، جس کا بیٹا اپنے باپ کی میت کو اس طرح نہ دفن کر سکا جیسا کہ وہ چاہتا تھا، یہ اور بات ہے کہ باعجاز تشریف لا کے دفن فرمایا۔

عزادارانِ حسینؑ ـــــ!

محرم بے کسوں پر رونے کا مہینہ ہے، پیاسوں کی پیاس یاد کرنے کا مہینہ ہے۔ غریبوں پہ ماتم کرنے کا مہینہ ہے۔ یہ مہینہ ان شہیدوں کی یاد کو تازہ کرتا ہے جنھوں نے راہِ اسلام میں گلے کٹائے۔ یہ مہینہ ان شیر دل بہنوں کی یاد کو تازہ کرتا ہے جنھوں نے اپنے اپنے وارثوں کو ہنس ہنس کے راہِ خدا میں قربان کر دیا۔ یہ مہینہ ان یتیم بچوں کی یاد کو تازہ کرتا ہے جنھوں نے زحمتیں تو اٹھائیں مگر اسلام کو مٹنے نہ دیا۔ یہ مہینہ ان نوجوانوں کی یاد کو تازہ کرتا ہے جنھوں نے سینے پہ برچھی کے پھل تو کھائے مگر اسلام کے سینے کو بچا لیا۔ یہ مہینہ اس چھ مہینے کے شیر خوار کی یاد کو تازہ کرتا ہے جس کے گلے پر تیر لگا تو وہ مسکرانے لگا۔ علی اصغرؑ تو مسکرا دیے مگر ہم روتے ہیں۔ اس لیے کہ جو تیر کھاتا ہے وہ روتا ہے۔

ہم ساڑھے تیرہ سو برس سے رو رہے ہیں۔ یہ تیر تو انسانیت کے دل میں پیوست ہوا ہے، جس کے دل میں بھی انسانیت ہے وہ آج تک رو رہا ہے۔ ارے کہاں چھ مہینے کا بچہ اور کہاں تین بھال کا تیر۔

عزادارانِ حسینؑ ـــــ!

یہ مہینہ ان بے کس سیدانیوں پہ رونے کا مہینہ ہے جو اپنے وارثوں کی میتوں پر ماتم نہ کر سکیں۔ میں اکثر یہ سوچتا ہوں کہ حسینؑ اور ان کے ساتھی گردنیں کٹا کے آرام کر گئے۔ وہ تو شہادت پیش کر کے جنت میں داخل ہو گئے۔

اصل غم تو ان بیبیوں کو تھا جو اسیری کی زحمتیں اُٹھانے کے لیے زندہ رہیں۔
اصل غم تو ان بہنوں کو تھا جو اپنے بھائیوں کو نہ روسکیں، اور میرے دوستو! میں یہ بات بھی اکثر سوچتا ہوں کہ جس کربلا کی پیاس میں حسینؑ کے ساتھ سید سجاد بھی شریک تھے، کربلا کی پیاس جناب عباسؑ و اکبرؑ کے ساتھ جناب زینبؑ و اُم کلثومؑ بھی شریک تھیں، یعنی اگر شہدائے کربلا تین دن پیاسے رہے تو اسیرانِ کربلا بھی تین دن پیاسے رہے لیکن بہتر پیاسوں کا تذکرہ تو ہوتا ہے لیکن ان کا ذکر کم ہوتا ہے جو زندہ رہ گئے۔
آپ کو معلوم ہے ایسا کیوں ہے؟ ایسا اس لیے ہے کہ جو زندہ رہ گئے انھیں تیسرے دن نہ سہی چوتھے دن پانی ملا تو، یاد ان کی کی جاتی ہے جنھیں پانی نہ ملا ہو اور دنیا سے سدھار گئے ہوں۔
تو عزیزانِ گرامی ـــــــ!
کربلاؑ کے بعد ہم ان پر روتے ہیں جو حسینؑ پر نہ رو سکے۔ جناب زینبؑ کو رونے سے روکا گیا، جناب اُم کلثومؑ کو رونے سے روکا گیا۔ جناب لیلیٰؑ اور ربابؑ کو رونے سے روکا گیا مگر سال بھر کے بعد ایک گھر خالی کرا کے ان کو رونے کی اجازت تو مل گئی، ہمیں رونے سے کوئی روکنے والا نہیں ہے۔
میں اکثر یاد کرتا ہوں چار برس کی اس کمسن بچی کو جو قید خانے میں رونے کے لیے تڑپتی رہی، مگر اپنے بابا کو رو نہ سکی، اور گھٹ گھٹ کے قید خانے میں مرگئی۔
میں کہوں گا بی بی سکینہؑ! آیئے، دیکھیے آپؑ کے باپؑ کے رونے والے جمع ہیں، آپؑ کے باپؑ کا ماتم کرنے والے جمع ہیں۔ ہائے وہ چار برس کی بچی جو کبھی باپ کو یاد کرتی تھی، کبھی چچا کو، قید خانے میں گھٹ گھٹ کے مرگئی مگر اپنے باپؑ کو رو نہ سکی۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

مجلسِ دوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

ارشاد پروردگار عالم ہے کہ "یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔ میں نے کل آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ سال جو گزر گیا، یعنی ۱۴۱۰ ہجری اس لیے اہم ہے کہ آج سے ٹھیک چودہ سو برس پہلے وہ لمحہ بھی آیا تھا کہ جب اللہ نے اپنے دین اسلام کو مکمل کیا تھا، اور اعلان کیا تھا کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ آج ہم نے تمہارے واسطے تمہارے دین کو کامل کیا ہے، اور اسی مناسبت سے میں نے اب کی مرتبہ آیہ مبارکہ شروع کی ہے، کہ ہم اسلام کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ اسلام کیا ہے۔ اور کل ہی میں نے یہ اعلان کیا تھا کہ میرا سبجیکٹ تاریخ اسلام کا سروے ۱۱ ہجری سے ۶۱ ہجری تک، یہ میرا اس سال عنوان رہے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کو سمجھنے کے لیے یہ پچاس برس بہت اہم ہیں، اس لیے کہ اسلام کی تاریخ کے خاص خاص واقعات جو ہیں وہ انھیں پچاس برس کے اندر ہیں، لہٰذا یہ پچاس جو شروع کے ہیں، حضور کے بعد، پورے پچاس برس ہوتے ہیں ۱۱ ہجری سے ۶۱ ہجری تک۔ تو ہم اسلام کو سمجھنے کے لیے اگر چودہ سو برس کا سروے کریں گے تو نہ ہمارے پاس وقت ہے، نہ اتنا علم ہے اور نہ امکان ہے، اور کل دس

گھنٹے ملتے ہیں۔ ہم کو تقریر کرنے کے لیے، تو اس دس گھنٹے میں ہم چودہ سو برس کا سروے کہاں سے پیش کر سکتے ہیں۔

لہٰذا ہم نے کُل پچاس برس کا پیریڈ لیا ہے، مخصوص ۱۱ ہجری سے ۶۱ ہجری تک، لہٰذا ہم اسی کا سروے پیش کرتے ہیں کہ تاریخ میں کیا کیا اختلافات ہوئے جس کے نتیجے میں سارے اختلاف اور سارے معاملات آج تک باقی ہیں، تو یہ اسی کا رزلٹ ہے جو اس زمانے میں واقعات ہوئے ہیں، اور اب اس تمہید کے بعد میں اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوں، آپ کی خدمت میں کہ اللہ نے یہ اعلان فرمایا کہ "یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔ اسلام وہ دین کہ جس کے پہلے مبلغ حضرت آدمؑ تھے، جنابِ آدمؑ کے بعد جنابِ نوحؑ آئے، اور جنابِ نوحؑ کے بعد جنابِ ابراہیمؑ آئے، جنابِ ابراہیمؑ کے بعد جنابِ موسیٰؑ، جنابِ موسیٰؑ کے بعد جنابِ عیسیٰؑ، سب سے آخر میں آخری نبی کی حیثیت سے ہمارے حضور سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، جنھوں نے آن کے اللہ کا پیغام پھر اس دنیا کو سنایا، اور انسانی ذہن، انسانی شعور، انسانی فکر، اور انسانی دماغ کو اس پیغام سے روشن فرمایا جو اللہ نے انسانوں کی نجات کے لیے اس دنیا میں بھیجا تھا۔

عزیزانِ گرامی ــــ!

اس تھوڑی دیر میں، مَیں آپ کی خدمت میں وہ منظر پیش کروں۔ اس کے بعد میرا سبجیکٹ شروع ہو جائے گا کہ دنیا میں چاروں طرف اندھیرا تھا، تاریکیوں کا راج تھا، برائیاں سر اُٹھائے ہوئے تھیں، اور نیکیوں کا کوئی پوچھنے والا نہ تھا، بت پرستی کا چلن تھا، جہالت کی رسموں نے انسان کو غلام بنا کے رکھ لیا تھا، آقا اور غلام، کالے اور گورے، مال دار اور غریب، طاقتور اور کمزور کے فرق سے انسانیت کچلی جارہی تھی، اور پسی جارہی تھی۔ ایسے عالم میں اللہ کی رحمت سے ایک نبی آیا، جو عرب کے ریگزار

میں اُٹھا، اس مقام پر اُٹھا جو مقام نہایت سخت اور بات قبول کرنے میں نہایت دشوار، ایسے مقام پر اُٹھنے والے رہبر نے چالیس سال، انھیں لوگوں کے درمیان رہ کر اپنے اخلاق کی شمعیں جلائیں، اپنے کردار سے روشنی پھیلائی، اپنی سیرت دنیا کو بتائی۔ ابھی اس نے اپنے مذہب کا نام نہیں لیا، صرف اپنے کردار سے مذہب کو زندہ کیا، جس طریقے سے مُردہ زمین کو بارش کے چھینٹے زندہ کردیتے ہیں، دھوپ اور گرمی سے تپتی ہوئی زمین، جس سے آگ نکل رہی ہوتی ہے، اور جب پانی برستا ہے اس کے اُوپر تو زمین پانی پی پی کے نرم ہوتی ہے، تب اس لائق ہوتی ہے کہ اس کے اُوپر دانا ڈالے اور اس سے کھیتی اُگے، اسی طریقے سے انسانیت کی زمین، جہالت اور ناسمجھی کی دھوپ میں اسی طرح سے تپ رہی تھی، کہ اگر اس میں کوئی دانا ڈالا جاتا تو جل جاتا۔ چالیس سال تک رسولؐ کے اخلاق کا سمندر اس کے اُوپر بہتا رہا، جنھوں نے انسان کو انسانیت سکھائی۔ آدمی کو آدمیت بتائی، زندہ رہنے کا سلیقہ سکھایا۔ اس عرب کے ریگزار میں اخلاق کا سبزہ اُگانے والے رسولؐ تھے، جنھوں نے اپنی شرافت سے کرم سے اور اپنے اخلاق سے، ریگزار کو تبدیل کردیا۔ سبزہ زار میں، چالیس سال تک اس ماحول میں زندگی گزاری جو ماحول بدترین ماحول کہا جاتا ہے اور بہترین زندگی گزاری۔ اخلاق، انسانیت، شرافت، محبت، ایمان داری۔ وعدہ وفائی، کیرکٹر کی بلندی، یہ وہ تمام چیزیں تھیں جنھوں نے انسان کی آنکھیں کھول دیں کہ کوئی انسان ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ جب بولتا ہے سچ بولتا ہے۔ جب وعدہ کرتا ہے وفا کرتا ہے۔ جس کے کردار کے دامن کے اُوپر سوئی کے ناکے کے برابر بھی کالا دھبہ نہیں ہے، اور جب اخلاق مروّت کی شمعیں روشن کرلیں، اور عمر مبارک چالیس سال کو پہنچی، تو اب ارشاد ہوا کہ اپنے خاندان والوں کو ڈراؤ، اللہ کا پیغام پہنچاؤ اور اللہ کے رسولؐ نے اُس عرب کے ریگزار میں اللہ کا پیغام پہنچانا شروع کیا، اور پہلی آواز گونجی:

قُولُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا

"کہو، اللہ ایک ہے اور تم نجات پا جاؤ"۔

مختلف راستوں پر چلتا ہوا مجمع، کوئی پتھر کی پرستش کر رہا ہے، کوئی بتوں کے آگے جھک رہا ہے، کوئی درخت کو سجدہ کر رہا ہے، کوئی ستارے کو خدا مان رہا ہے، کوئی چاند کے آگے سجدہ ریز ہے۔ کوئی سورج کو اپنا رب کہہ رہا ہے، کوئی دریاؤں کو سجدہ کیے جا رہا ہے، اور جو خدا کے ماننے والے بھی ہیں، کوئی ایک کے تین بتائے دے رہا ہے، کوئی کچھ کہہ رہا ہے، توحید کو بھی بگاڑے ہوئے ہیں لوگ، ایسے ماحول میں توحید خالص کا پیغام دیا سرورِ کائناتؐ نے، اور چونکہ کردار بہت بے مثال تھا، لہٰذا زبان سے جو نکلتا گیا وہ اثر کرتا گیا۔ مخالفت کرنے والوں نے مخالفتیں کیں، ظلم کرنے والوں نے ظلم کیے۔ ستانے والوں نے ستایا، پتھر مارنے والوں نے پتھر مارے، کانٹے بچھائے، کوڑے پھینکے، نازیبا کلمے کہنے والوں نے الفاظ کے پتھر مارے، لیکن نہ جانے ہدایت کی کون سی طاقت لے کے آیا تھا وہ رسول کہ ناراض ہونا تو درکنار ہونٹوں کی مسکراہٹ میں فرق نہ آیا۔ وہ مصائب کے سیلاب سے مسکراتا ہوا گزرا، اور اس شان سے گزرا کہ دنیا محوِ حیرت رہ گئی کہ کیا انسان کا اخلاق اتنا بھی بلند ہو سکتا ہے؟

کیا کوئی دنیا میں ایسا بھی اللہ کا بندہ ہو سکتا ہے؟ جو ایسے ماحول میں اپنے دشمنوں کے واسطے محبت ہی کا جذبہ رکھتا ہو، کوئی عداوت نہ رکھتا ہو، اللہ کا پیغام عام ہونے لگا، مخالفتوں کے باوجود اسلام آگے بڑھنے لگا۔ تیر و تلوار کے مقابلے ہوتے رہے لیکن اسلام کا پرچم لہراتا رہا۔ رسولؐ نے مکے میں تبلیغ کی، اور اللہ کی مصلحت ہوئی تو مکے سے مدینے ہجرت کر کے تشریف لے آئے، مدینے میں تبلیغ کی اور تبلیغ دین تیئیس سال صرف کی اور تیئیس سال تبلیغ میں صَرف کیے۔

توجہ چاہتا ہوں ـــــ عزیزانِ گرامی!

میں آپ کے سامنے تاریخ اسلام پیش کر رہا ہوں منٹوں میں، جس کو گھنٹوں میں بیان کیا جائے، میں اس کو سیکنڈوں میں بیان کر رہا ہوں۔ تیئیس سال تبلیغ کی حضورؐ نے اور اسی تیئیس سال میں انسانی ضروریات کے ہر مسئلہ کو قیامت تک کے لیے پیش کر دیا۔ توحید، عدل، نبوت، امامت، قیامت کے بنیادی مسائل سے لے کر، سرمہ لگانے، آئینہ دیکھنے، راستہ چلنے، لباس پہننے، کھانے اور پینے تک کے آداب رسولؐ نے دنیا کو بتائے، یعنی انسان کو پوری انسانیت کی تعلیم دے دی۔ تیئیس برس میں، اور یہ اس صورت میں نہیں کہ لوگ سننے کے لیے جمع ہوتے ہوں، اور حضورؐ تقریر کرتے ہوں۔

یہ تبلیغ ایسے ماحول میں ہوئی ہے کہ پتھر آ رہے ہیں، تلواریں چل رہی ہیں، سیٹیاں بجائی جا رہی ہیں، مخالفتیں ہو رہی ہیں اور تبلیغ کا سیلاب چل رہا ہے۔ یہ پُرامن ماحول میں تبلیغ نہیں ہوئی ہے کہ جیسے یہاں آپ سن رہے ہیں اور میں کچھ عرض کر رہا ہوں آپ کے سامنے، بلکہ ہر طرف مخالفتیں اور ہر طرف ہنگامے، اس طرح سے حضورؐ نے تیئیس برس میں اپنا پیغام پہنچایا لیکن تاریخ کو تاریخ کی طرح پیش کروں گا۔ نہ کسی کی بے جا حمایت کروں گا، نہ کسی کی بے جا مخالفت کروں گا۔

امپاسَل ہو کے پڑھوں گا، لیکن جو پڑھوں گا اس کا ذمہ دار ہوں۔

اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت کی طاقت تو دے کر بھیجی تھی، اور سب سے بڑا رسولؐ تھا اس لیے ہدایت کی طاقت کا سب سے بڑا مالک تھا، لیکن تبلیغ کے پہلے دن جہاں سے مجمع عام میں تبلیغ کا اعلان ہوا ہے وہیں سے رسولؐ نے ایک مددگار مانگا تھا۔ دیکھیے، تاریخ میں بڑی دھاندلی ہوتی ہے۔ میں چاہتا تو اپنے بیان کو اس منزل سے آگے بڑھا دیتا اور کوئی دوسرا نام نہ آتا، لیکن یہ انصاف کا تقاضا نہیں ہے کہ اگر

کسی نے قربانی دی ہے تو ہم کسی ذاتی مصلحت کے تحت اس کا نام اُڑا دیں۔ ہمیں اسلام کی تاریخ سے یہی شکایت ہے کہ جنھوں نے قربانیاں دیں ان کا نام کسی ذاتی مصلحت سے اڑا دیا جاتا ہے۔

جہاں سے اسلام کی تاریخ کی ابتدا ہوتی ہے، اس کا نام دعوت ذوالعشیرہ ہے۔ اسلام کی تاریخ میں کئی بڑے بڑے دن ہیں، ویسے تو ہر دن اہم ہے اسلام کی تاریخ کا، مگر بعض دنوں کی تاریخ کے اندر بڑی اہمیت ہے۔ تو اسلام کی تاریخ کا پہلا دن ہے دعوت عشیرہ، تو جب اسلام کی تاریخ لکھی جائے گی تو پہلا امپارٹنٹ دن جو آئے گا وہ ہے دعوت عشیرہ، اور آخری امپارٹنٹ دن جہاں انجام ہوتا ہے اس کا نام ہے غدیر خم ــــــ (صلواۃ)

اب دونوں دنوں میں رشتہ کیا ہے؟ یہ سنا دوں آپ کو اس کے بعد تو میرا موضوع شروع ہوئے ہی گا، لیکن جب تک حیات سرورِ کائناتؐ جھلک نہ آجائے سامنے جب تک اس کے اُوپر سروے کیا ہوگا آنے والے واقعات کا؟ اللہ کا سب سے بڑا رسول آخری پیغام لے کر آیا، اور اس نے عرب کے پُرفتن ماحول میں اللہ کا پیغام سنایا، اور اس طرح کہ سب سے پہلے حکمِ خدا سے اپنے خاندان والوں کو جمع کیا۔ قرآن کہتا ہے: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ

عشیرہ کہتے ہیں خاندان کو، اقربین، جو سب سے زیادہ قریب ہو، یعنی جو آپ کے خاندان میں سب سے زیادہ قریب ہیں ان کو ڈرائیے تو رسولؐ نے اپنے دادا کی اولادوں کو جمع کیا، یعنی عبدالمطلب کی اولادوں کو کیونکہ یہی سب سے زیادہ قریب تھے۔ ایک دادا کی اولاد، رسولؐ اللہ کے دادا عبدالمطلب تھے تو رسولؐ اللہ نے بیٹوں اور پوتوں کو جمع کیا، اپنے دادا کی اولادوں کو صرف جمع کیا، اور دوسرے رشتہ داروں کو ابھی نہیں جمع کیا، جن کے لیے تاریخ میں لکھا ہے کہ چالیس یا بیالیس آدمی

تھے۔ یہ پہلا دن تھا اسلام کی تاریخ کا اور اس میں رسولؐ نے ایک تقریر کی، جو آپ کو یاد ہے، اُسے سنا کے میں آپ کا وقت نہیں صرف کرنا چاہتا، اور تقریر کرنے کے بعد کہا کہ تم میں کون ہے جو اس کام میں میری مدد کرے؟ مجمع میں سناٹا تھا تاریخ بتاتی ہے کہ مجمع کا سب سے کم سن انسان اُٹھا۔ اس مجمع میں جو سب سے کم سن تھا وہ کھڑا ہو گیا، اور اس نے اُٹھ کے سارے مجمع کو دیکھا اور رسول کو دیکھا۔

سننے گا یہ چیزیں ـــــ تاریخ کبھی کبھی چھپا جاتی ہے، اور اسی چھپانے کا ہمیں شکوہ ہے۔ وہ مجمع کا سب سے کم سن تھا کھڑا ہو گیا۔ جو ابھی پوری طرح جوان نہیں تھا بلکہ لڑکا تھا اس نے مجمع کو دیکھا، مجمع کو دیکھ کے حضورؐ کو دیکھا، اور اُونچی آواز میں کہا: یارسولؐ اللہ! آج پورے عالمِ اسلام میں یارسولؐ اللہ کی آواز گونج رہی ہے۔ یارسولؐ اللہ، یارسولؐ اللہ، یارسولؐ اللہ! حالانکہ کچھ ایسے بھی ہیں جن کے خیال میں یارسولؐ اللہ بدعت ہے۔ (صلواۃ)

مگر پھر بھی بہت بڑا طبقہ مسلمانوں کا ہے جو کہہ رہا ہے یارسولؐ اللہ! آج تو لاکھوں کہنے والے ہیں لیکن حضورؐ کو سب سے پہلے یارسولؐ اللہ کہہ کر مخاطب کرنے والا میرا مولا علیؑ ہے۔ یارسولؐ اللہ گو میرا سن کم ہے، گو میرے بازو کمزور ہیں، مگر میں آپ کی مدد کروں گا، آپؐ کے دشمنوں کی آنکھیں پھوڑ ڈالوں گا اور ان کے شکم چاک کر ڈالوں گا۔

یہ دن تھا اسلام کی تاریخ کا امپارٹنٹ دن۔ رسولؐ اللہ آگے بڑھے، کم سن بھائی کو سینے سے لگایا اور کہا: آج سے میری بات سنو اور اس کا حکم مانو، اس کی بات سنو اور میرا حکم مانو۔ بارہ برس کے بچے کے لیے کہہ رہے ہیں کہ اس کا حکم مانو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بچہ ہوتے ہوئے بھی حاکم ہے۔ یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ تاریخ تصدیق کرے گی۔ جب اس جملے کو لوگوں نے سنا تو

ابولہب کچھ لوگوں کو لے کے اٹھ گیا اور ابوطالبؑ سے کہا: آج سے بیٹے کا حکم مانو،
اور اس کے بعد تاریخ آگے بڑھی۔

سنئے گا___!

یہ امپارٹنٹ (important) دن میں اہمیت کے لیے آپ کو یاد دلا رہا ہوں۔ اس تاریخ میں یعنی دعوت ذوالعشیرہ کے دن دو وعدے ہوئے ہیں۔ آپ چاہے انگریز مؤرخین کو پڑھئے، چاہے عرب مؤرخین، مسلمان مؤرخین کو پڑھئے۔

یہ واقعہ آپ کو ہر کتاب کی زینت ملے گا کہ رسولؐ نے کہا کہ تم میں کون ہے جو میری مدد کرے اور وہی کل میرا جانشین ہو، جو آج میری مدد کرے گا وہی کل میرا جانشین ہوگا، تو علیؑ نے کھڑے ہو کر کہا: میں مدد کروں گا۔ اب پہلے حیات رسول کا سروے کیجیے اور دیکھیے کہ علیؑ نے اپنا وعدہ پورا کیا کہ نہیں، جس کمسن علیؑ نے وعدہ کیا تھا کہ میں مدد کروں گا، دوسرے ہی دن وہ علیؑ حضورؐ کے پیچھے یوں چل رہے تھے جس کے لیے انھوں نے نہج البلاغہ میں اپنی تحریر خود پیش کی ہے کہ جیسے اونٹنی کے پیچھے اس کا بچہ چلتا ہے اس طرح سے میں چل رہا تھا۔ مکہ میں جتنے بھی حالات پیدا ہوئے علیؑ نے ایک دن بھی نہیں کہا کہ نہیں میں یہ خدمت نہیں کر سکتا۔ کمسن بچہ زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ جوان ہوتا گیا، اور بارہ برس کے بعد جب رسولؐ کے ہجرت کرنے کا وقت آیا تو یہ بچہ اب تیئیس برس کا نوجوان تھا، اس نے مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ گلا کٹانے کا نہیں کیا تھا۔ مدد کا وعدہ اور بات ہے جان دے دینے کا وعدہ اور بات ہے۔ نہ رسولؐ نے یہ بات کہی تھی کہ کون ہے جو اس میں اپنی جان دے گا، نہ علیؑ نے یہ بات کہی تھی کہ میں جان دوں گا۔ رسولؐ نے کہا تھا کہ کون ہے جو اس معاملے میں میری مدد کرے گا؟ علیؑ نے کہا تھا کہ میں مدد کروں گا، لیکن آج بات تلواروں کے نیچے سونے کی آئی، تو وعدہ کرنے والے نے انکار نہیں کیا اور ساری رات

تلواروں کے نیچے سوتا رہا۔ (صلواۃ)

اور میں اکثر یہ بات اس موقع کے اوپر کہتا ہوں کہ ساری رات تلواروں کے نیچے سو کے اب علیؑ، علیؑ کہاں رہے۔علیؑ تو شہید ہو چکے، ہم تو علیؑ کو شہید کہیں گے، اب علیؑ کہاں؟ اس لیے کہ اگر شبہ ہو تو دلیل بڑی مضبوط ہے میرے پاس کہ اگر ایک منٹ کے لیے اسماعیلؑ چھری کے نیچے آ کر ذبیح بن سکتے ہیں تو ساری رات علیؑ تلواروں کے نیچے سو کر شہید کیوں نہیں بن سکتے ــــــ؟ (صلواۃ)

تو عشیرہ میں، جس نے وعدہ کیا شبِ ہجرت اس نے قربانی کا کمال دکھا دیا۔ ساری رات تلواروں میں سو گیا، اور اس کے بعد جب مدینے کی زندگی شروع ہوئی اور کافروں نے رسولؐ سے ٹکرانے کی پالیسی بنائی، تو وہی عشیرہ میں وعدہ کرنے والا، جوان اپنی تلوار لیے بدر میں کھڑا ہے، اُحد میں لڑ رہا ہے، خندق میں مقابلہ کر رہا ہے، خیبر میں مقابلہ کر رہا ہے۔ ہر جگہ مدد، ہر جگہ نصرت۔ تاریخ اسلام کے دن گزرتے رہے، یہاں تک تبلیغ کے تیئیس سال تمام ہونے کو آئے، اور ۱۰ ہجری کا بارھواں مہینہ آ گیا، کیونکہ ذی الحجہ اسلامی کیلنڈر کا بارھواں مہینہ ہے، اور بارھواں مہینے کا پہلا حصّہ گزر چکا ہے۔ اب رسولؐ کی زندگی کے چند دن باقی ہیں۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ جس نے دعوتِ عشیرہ میں وعدہ کیا تھا نصرت کا، اس نے تو جتنا وعدہ کیا تھا اس سے زیادہ کر دکھایا۔ چھوٹے بھائی نے اپنا وعدہ، وعدے سے زیادہ پورا کیا۔ اب دیکھنا ہے کہ بڑے بھائی کا وعدہ پورا ہوتا ہے کہ نہیں۔

عزیزانِ گرامی ــــــ!

اب اسلام کی تاریخ کا آخری بڑا دن آ رہا ہے، جس کا نام ہے غدیرِ خم۔ توجہ سے سنئے گا میری بات۔ کاروبار ہمیشہ ساکھ پر چلتا ہے۔ اگر کاروبار کی ساکھ گر جائے تو اس کاروبارہ شہر میں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ کاروبار نہیں چلا پائیں گے،

اور جو بڑی بڑی پارٹیاں ہیں ان کی ساکھ بھی بڑی ہے۔ تاتا کے یہاں اگر آپ کا مال سپلائی ہوتا ہے تو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ آپ پریشان نہ ہوں آپ کا پیسہ آئے گا مارا نہیں جائے گا۔ انھوں نے کہا: بہت بڑی پارٹی ہے، ہمارا مال وہاں جاتا ہے، پیسہ مرے گا نہیں، تو یہ ہے ساکھ، اعتبار اور ہم نے چھوٹی سی دکان کی، کاروبار کیا اور ہمارے یہاں مال آیا تو اب نگرانی ہے کہ پیسہ آیا کہ نہیں۔ نہ معلوم کب دھندہ بند کر کے چلے جائیں اور پیسہ ڈوب جائے تو کاروبار جو ہے وہ ہمیشہ ساکھ پر چلتا ہے، اعتبار پر چلتا ہے۔

تو غور فرمایا آپ نے ــــــ؟

کہ اسلام کی ساکھ ہے وعدہ ورنہ حضورؐ نے مسلمان ہونے کے بعد کسی کو کیا دیا، بس یہ کہ خدا کو مانو گے یہ وعدہ، رسول کو مانو گے یہ وعدہ، مسلمان ہو گے یہ وعدہ، نماز پڑھو گے یہ وعدہ، روزہ رکھو گے یہ وعدہ، حج کو جاؤ گے یہ وعدہ، خیرات کرو گے یہ وعدہ، ماں باپ کا حکم مان کر ان کی خدمت کرو گے تو یہ وعدہ اور آخرت میں یہ ملے گا، جنت میں یہ ملے گا، کوثر ملے گا، حوریں ملیں گی، نجات پاؤ گے، مغفرت ملے گی، قرب خدا ملے گا۔ رضائے الٰہی ملے گی، سارے وعدے، شراب پیو گے تو یہ سزا ملے گی، جوا کھیلو گے تو یہ سزا، ظلم کرو گے تو یہ سزا، جھوٹ بولو گے تو یہ سزا، ماں باپ کو ستاؤ گے تو یہ سزا، نماز چھوڑو گے تو یہ سزا۔

تو اب آپ خود بتائیں کہ کیا کسی کو ایک ہاتھ پڑا اس دنیا میں نماز نہ پڑھنے پر، یا کسی کو ایک دو روپیہ ملا روزہ رکھنے پر؟ نہیں ملا نہ دنیا میں؟ تو آپ یہ سارے اعمال جو کر رہے ہیں یہ حضورؐ کے وعدے پر، کسی کو شک بھی نہیں ہے، تو اب آپ انصاف سے بتایئے کہ حضورؐ نے وعدہ کیا تھا علیؑ سے، جو میری نصرت کرے گا وہی میرا جانشین ہوگا۔ تو اب اگر رسولؐ اپنے وعدے کو پورا نہ کریں اور علیؑ کو نہ بنائیں، تو

جو اپنے چچازاد بھائی اور داماد کے وعدے کو پورا نہ کرے وہ پبلک کا وعدہ کیا پورا کرے گا ــــ ؟ (صلوٰۃ)

اب سمجھے آپ کہ معاملہ کیا ہے ــــ ؟

جس کے لیے آخری دن رسولؐ سے کن تیوروں میں بات کی گئی:

یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ

"آپؐ پہنچا دیجیے اس کو جو آپؐ پر نازل کیا گیا۔ اگر نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا"۔

نہ پہنچایا کا مطلب سمجھے آپ؟ یعنی جو پہلے وعدہ کیا تھا اس کو وفا کیجیے، اور اگر یہ وعدہ وفا نہ کیا تو تمہارے سارے وعدے مشکوک ہو جائیں گے، اور کچھ نہ رہ جائے گا۔ پہنچا دیجیے اسے، تاریخ اسلام کہتی ہے کہ رسولؐ نے اعلانِ ولایت مولائے کائنات سے کیا۔ سب کے سامنے مجمع عام میں اعلان کیا، اور عجیب وغریب شان سے اعلان کیا۔

تو تاریخ اسلام کا پہلا دن تھا دعوتِ عشیرہ، اور تاریخ اسلام کا آخری دن ہے میدانِ غدیر۔ یہاں رسولؐ لاکھوں کے بیچ میں منبر پر تھے اور کہہ رہے تھے کہ اَللّٰهُ مَوْلَایَ "اللہ میرا مولا ہے"۔ وَاَنَا مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ "اور میں مومنین کا مولا ہوں"۔ وَمَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَا "اور آگاہ ہو جاؤ کہ جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ علیؑ مولا"۔ علیؑ مولا، اور جب علیؑ کو مولا بنا کے اُترے تو عزیزانِ گرامی! میں اکثر پڑھتا ہوں اس موقع کے اوپر کہ حضورؐ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ نیچے ہم کلمہ پڑھ رہے تھے، ان کا خطبہ تمام ہوا۔ ہمارا کلمہ تمام ہوا۔ وہ کیا پڑھ رہے تھے ہم کیا پڑھ رہے تھے؟ انھوں نے کہا: اَللّٰهُ مَوْلَایَ۔ ہم نے کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ انھوں نے کہا: وَاَنَا

مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ ہم نے کہا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ۔ انھوں نے کہا: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَا ''جس کا میں مولا اس کے یہ علیؑ مولا''۔ ہم نے کہا: عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ ـــــ (صلواۃ)

ان کا خطبہ تمام ہوا، ہمارا کلمہ تمام ہوا۔ جبرئیلؑ امرالٰہی کی مہر لیے ہوئے آئے، اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ۔ یہ خطبہ کامل ہوا، یہ کلمہ کامل ہوا اُدھر دین کامل ہوا ـــــ (صلواۃ)

تو حضور ـــــ بس آج میرا بیان ایک قدم آگے بڑھے گا، اور اس کے بعد کل سے شروع ہو جائے گا، تو غدیر خم کے میدان میں اپنے جانے کی خبر دے کر رسولؐ نے سلسلۂ امامت قائم کر دیا، عشیرہ کا وعدہ پورا کر دیا، اور اس وعدے کو پورا کر کے رسولؐ نے اپنے ہر وعدے کی تصدیق کر دی اور دین کو خدا نے کامل کر دیا تو حضور رسالت کے بعد امامت اور ولایت کا آنا تقاضائے عقل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا سے برائی کی طاقتیں مٹی نہیں، دنیا میں آبادی کل کے مقابلے میں آج زیادہ ہے۔ کل جب آبادی کم تھی تو اللہ بندوں پر اتنا مہربان رہا کہ ایک ایک وقت میں ستر ستر نبی رہے دنیا میں، اور آج جب آبادی زیادہ ہے تو اللہ خالی قانون بھیج دے اور قانون کی تشریح کرنے والا نہ ہو۔ تقاضائے عقل یہ ہے کہ یا تو اللہ برائیوں کو موت دے دے کہ اب دنیا میں کوئی بہکانے والی طاقت نہیں رہی۔

جراثیم ہی نہیں تو اب بیماری کی دوا کیا ہوگی، ہندوستان میں پہلے بہت سی بیماریاں چلتی تھیں جو اب نہیں ہیں۔ اِک زمانے میں ساری دنیا میں ایک بہت خطرناک بیماری تھی، جس کا نام تھا طاعون، لیکن اب طاعون کی بیماری نہ لندن میں ہے، نہ امریکہ میں، نہ چین میں ہے، نہ انڈیا میں کہیں طاعون کی بیماری نہیں ہے۔ تو اب اگر کسی ہاسپٹل میں جا کر ہم کہیں کہ ہمیں طاعون ختم ہونے کی دوا چاہیے اور نہ

نکلے ہسپتال میں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

بھئی جب ایک چیز اب ہے ہی نہیں دنیا میں اور ختم ہوگئی تو ہو سکتا ہے کہ ہسپتال میں اس کی دوا بھی نہ ہو، لیکن جب پورے پورے گھرانے، پورے پورے محلے اور قصبے ختم ہو جاتے تھے تو اس کا ہونا لازمی تھا، تو یا تو اللہ برائیوں کو موت دے دے، لیکن اگر بھٹکانے والا موجود ہے اور رہبر جا رہا ہے تو اب ہمیں کوئی بھٹکا دے تو ہم کیا کریں گے؟ اس لیے امامت ضروری ہے رسالت کے بعد، اس لیے کہ رسالت دین کے بنانے کا سلسلہ ہے اور امامت دین کے بچانے کا سلسلہ ہے۔ جب دین رسالت نے کمپلیٹ کر دیا تو اب ضرورت کسی ایسے کی ہے جو دین کی قیامت تک نگرانی کرے کہ اس کی شکل کوئی بدلنے نہ پائے۔

غور فرمایا آپ نے ـــــ؟

حضورؐ نے دین مکمل کر کے سرٹیفکیٹ لے لیا اللہ سے کہ ہم نے آج دین کامل کر دیا۔ اب ضرورت کسی دین کے بچانے والے کی ہے اور وہ دین کی نگرانی کرنے والی طاقت کا نام ہے امامت۔

عزیزان گرامی ـــــ!

یہ بھی آپ کی خدمت میں عرض کردوں کہ بچانے والا، کسی بھی چیز کا بچانے والا، آپ نے ایک امپارٹنٹ ڈاکومنٹ مجھے دی اور کہا یہ بڑی اہم ہے دستاویز اس کو اپنے پاس رکھئے امانت کے طور پر۔ میں آپ سے ایک ہفتہ بھر بعد لے لوں گا تو میں ایسا امین ہوں۔ کسی صاحب نے کہا: دس ہزار روپے مجھ سے لے لیجیے اور وہ پیپر مجھے دے دیجیے۔ ایک لاکھ روپے لے لیجیے اور وہ دستاویز مجھے دے دیجیے، دو لاکھ روپے لے لیجیے اور وہ پیپر مجھے دے دیجیے۔ تو مجھے ایسا امانت دار ہونا چاہیے کہ رشوت لے کر میں وہ پیپر حوالے نہ کروں، ہے بات کہ نہیں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں

بک گیا تو آپ نے غلط آدمی کا سلیکٹ کر کے بھیج دیا تھا۔

اچھا دوسری صورت یہ ہے کہ میں لاکھ دو لاکھ، دس لاکھ پہ بکا تو نہیں، مگر ہاتھ میں بریف کیس لیے جا رہا تھا جس میں وہ پیپر تھے، سامنے سے آدمی آیا وہ مجھ سے زیادہ قوی تھا۔ انھوں نے بریف کیس مجھ سے چھین لیا۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ وہ بریف کیس مجھ سے نہ جائے اس کے ہاتھ میں، مگر اس کی قوت میری قوت سے زیادہ تھی۔ وہ مجھ سے چھین لے گیا تو میں نے کوئی رشوت تو نہیں کھائی، میری نیت بھی خراب نہیں تھی مگر آپ کا امپارٹنٹ کاغذ جو تھا وہ چلا گیا۔ وہ نہیں ہے تو ہر دو صورتوں میں آپ کو نقصان ہے۔ یعنی اگر میں بے ایمان ہوں جب بھی آپ کو نقصان ہے۔ اگر میں کمزور ہوں جب بھی آپ کو نقصان ہے۔ امامت کا کام ہے دین بچانا۔ تو امام ایسا ہونا چاہیے کہ رشوت جسے خرید نہ سکے، طاقت جسے جھکا نہ سکے، اس لیے کہ اس کے ہاتھ میں ہے اسلام کی دولت۔

توجہ چاہتا ہوں عزیزانِ گرامی۔۔۔۔۔!

ذکرِ مصائب!

اس کے ہاتھ میں ہے اسلام کی دولت، لہٰذا امام ایسا امین ہو جو دولت پہ بکے نہ اور طاقت کے سامنے جھکے نہ۔ رسولؐ کے دونوں نواسے امام تھے، بڑے نواسے نے حکومت کو ٹھوکر مار کر بتا دیا کہ امامت بکتی نہیں۔ چھوٹے نواسے نے حکومت سے ٹکرا کر بتایا کہ امامت جھکتی نہیں۔ حسنؑ نے پوری حکومت ٹھکرا دی، امامت نہیں بکی، اور جب رشوت نہیں قبول کی تو پوری حکومت دھمکی بن کے آئی، حسینؑ کے سامنے پوری حکومت دھمکی بن گئی، مگر امامت اتنی قوی کہ جو اسلام امامت کے ہاتھوں میں تھا حکومت اسے چھین نہ سکی، یہ بیعت کی تھی؟ یہ امامت کے ہاتھ میں جو اسلام تھا یزید

اسے چھیننا چاہتا تھا، سوال بیعت کیا تھا؟ سوال بیعت یہی تھا کہ حسینؑ کے ہاتھوں میں جو اسلام اللہ نے دیا تھا۔

یزید اپنی طاقت کے بل پر اسے چھیننا چاہتا تھا حسینؑ کے ہاتھوں سے۔ کہا: سر کٹ جائے گا مگر میرا ہاتھ نہ ملے گا مجھے پوری حکومت دھمکی بن کے آئی تھی۔ کہتے ہیں حسینؑ نے طاقت نہیں جمع کی، ارے طاقت جمع کر کے کہیں لڑائی جیتی جاتی ہے؟ طاقت سے ہمیشہ جو زیر کیا گیا چار دن کے بعد طاقت بدل کے پھر سامنے آ گیا۔ پڑھئے دنیا کی تاریخ، دنیا کی تاریخ کے نقشے بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں۔ ہم تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ تاریخ تو زمانہ لکھتا ہے۔ خالی اپنی آنکھیں کھلی رکھیے آپ کو دنیا کے بلیک بورڈ پہ ہر تاریخ بنتی اور بگڑتی نظر آئے گی، بچوں کو نہیں یاد ہوگا۔ جوانوں کو نہیں یاد ہوگا، مگر میری اتنی عمر کے لوگوں کو یاد ہوگا کہ ابھی تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ پچاس سال پہلے کی، کہ جب جاپان کا سلطان امریکی جنرل کے سامنے ہاتھ باندھ کر آیا تھا۔ جنگی مجرموں کی طرح سے، پچاس برس گزرے ہیں اس جاپان کو ترقی میں اب امریکہ کے شانہ بشانہ چل رہا ہے۔

ہم تو اپنی کھلی آنکھوں سے دنیا کے بنتے بگڑتے نقشے دیکھ رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جو میدان میں طاقت کے بل بوتے پر جنگ جیتتے ہیں، ایک صدی بھی نہیں گزرتی کہ کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ حسینؑ اگر یزید کو طاقت کے بل پر کچل دیتے تو چالیس پچاس برس بعد یزیدیت سر اُٹھا کر حسینؑ کے سامنے آجاتی تھی۔ حسینؑ نے روحانیت کے بل پر کچلا تھا تا کہ صبح قیامت تک یزیدیت یزیدیت رہے، حسینیت کے سامنے سر اُٹھا کے نہ آئے ــــــ (صلوٰۃ)

لیکن یہ لڑائی ہر ایک نہیں لڑ سکتا، جو حسینؑ نے لڑی۔ یہ بھی سن لیجیے کہ اگر کوئی صاحب یہ چاہیں بھی کہ میں حسینؑ والی لڑائی لڑوں، تو دنیا میں نہ اب حسینؑ ہوگا، نہ

حسینؑ والی لڑائی ہوگی۔ اگر کوئی حسینؑ والی لڑائی لڑنا چاہے تو محمدؐ کی گود کیسے نصیب ہوگی شیر فاطمہؑ کیسے نصیب ہوگا؟ علیؑ کا خون کس کی رگوں میں ہوگا؟ فاطمہ زہراؑ کے دل کے ٹکڑے کس کے ساتھ میدان میں آئیں گے۔ یہ لڑائی ہر ایک نہیں لڑ سکتا۔ جوان بیٹے کے لاشے پر جو شکر کا سجدہ کرے وہ لڑائی لڑے، دم توڑتے بچے کے گلے سے جو مسکرا کے تیر نکالے وہ لڑائی لڑے، برابر کے بھائی کی میت پر جو جا کے کلیجہ تھام لے وہ لڑائی لڑے۔ بھتیجے کی لاش کے ٹکڑے جو میدان سے چُن کے لائے وہ لڑائی لڑے، ہر ایک کے بس میں نہیں ہے۔ سوگواران حسینؑ ماہِ عزا آ گیا، محرم آ گیا۔ سیدہؑ کے لال یہ غلام آپ کا استقبال کرتے ہیں، مولاؑ ہم سب آپ کے چاہنے والے آپ کا استقبال کرتے ہیں۔

حدیثوں میں ہے کہ چھٹے امام جب محرم کا چاند دیکھتے تھے تو اس قدر گریہ کرتے تھے کہ آپؑ کے گریہ کی آواز سے پڑوسیوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ محرم کا چاند ہو گیا۔

سنئے عزادارو ــــــــ!

محرم کی پہلی تاریخ آٹھویں امام کا دربار سجا ہے۔ سوگوار بیٹھے ہیں، امامؑ کے چاہنے والے حاضر ہیں کہ ایک مرتبہ مشہور شاعر دعبل خزاعی آئے۔ امامؑ نے دعبل کو دیکھا، امامؑ نے کہا: اے دعبل! مبارک ہو تم ہمارے ناصر ہو، ہمارے مداح ہو۔ دعبل آج محرم کی پہلی ہے، دعبل ہمارے جد کی شان میں مرثیہ کہا ہے کوئی؟ دعبل نے آنکھوں میں آنسو بھرے ہاتھوں کو جوڑ کر کہا: یابن رسول اللہؐ! مرثیہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔ مرثیہ ہی سنانے آیا ہوں۔

کہا: اچھا دعبل! ابھی ٹھہرو، ابھی نہ سناؤ ذرا دیر ٹھہر جاؤ۔ یہ کہہ کے امامؑ بہ نفس نفیس اُٹھے، اپنے دست مبارک سے پردہ ڈالا، بیت الشرف میں گئے کہا: رسولؐ

اللہ کی بیٹیو! چلو تمہارے جد کا مرثیہ ہو رہا ہے، اُن کے مرثیہ میں شریک ہولو۔ مخدراتِ عصمت وطہارت پردے کے پیچھے تشریف لائیں۔ سیدانیاں پردے کے پیچھے تشریف فرما ہوئیں۔ امامؑ تشریف لائے، اب دعبل کو حکم دیا دعبل مرثیہ پڑھو۔ دعبل نے مرثیہ پڑھنا شروع کیا۔ مرثیہ کا مطلع تھا: اے فاطمہؑ، اے خیرِ حق بی بی! اُٹھ کے دیکھئے آسمانِ عزت کے ستارے زمین پر بکھرے پڑے ہیں۔ امامؑ نے رونا شروع کیا۔ سیدانیوں نے رونا شروع کیا۔ دعبل مرثیہ پڑھتے رہے۔ مصائبِ حسینؑ بیان کرتے رہے۔ امامؑ بھی گریہ کرتے رہے، شہزادیاں بھی گریہ کرتی رہیں۔

آخر میں دعبل نے شعر پڑھے کہ کوئی کربلا میں سو رہا ہے، کوئی نجف میں، کوئی کاظمین میں آرام کر رہا ہے، کوئی مدینے میں۔ یہ کہہ کر مرثیہ تمام کیا اور امامؑ نے ایک شعر کا اضافہ کر دیا کہ ارے کوئی سب سے دور زمینِ طوس پر سو رہا ہے۔ دعبل نے شعر پڑھ تو دیا لیکن حیرت سے امامؑ کی طرف دیکھنے لگا، کہا: یابن رسولؐ اللہ! میں آپ کے گھر کا پرانا غلام ہوں اور مجھے آج تک نہیں معلوم کہ زمینِ طوس پر کون ہے؟

کہا: دعبل تجھے کیا خبر زمینِ طوس پر تو میری قبر بنے گی، اور میں سب سے دور شہید کیا جاؤں گا۔ بس غضب یہ ہوا کہ دعبل نے پھر شعر پڑھ دیا۔ اب جو پڑھا تو کنیز آئی اور کہا: دعبل رُک جاؤ امامؑ کی بہن کو غش آ گیا، میں کہوں گا:

اے معصومہ خواہرِ امامؑ! آپ بھائی کی شہادت کی خبر نہ سن سکیں، ہائے زینبؑ! ارے شہزادی زینبؑ بھائی کا سر نوکِ نیزہ پر بہن کلیجہ تھامے ہوئے، ارے مرا بھیا، اے مرا حسینؑ!

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

مجلسِ سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

ارشادِ اقدسِ جنابِ رب العزت ہے کہ "یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔ سلسلۂ کلام ذہن عالی میں ہوگا۔ ہمارے آپ کے درمیان اس سال گفتگو تاریخِ اسلام کے ان پچاس سال کے اوپر ہے جو رسولؐ کے فوراً بعد شروع ہوتے ہیں، یعنی ۱۱ ہجری سے لے کے ۶۱ ہجری تک تاریخ اسلام کا سروے میرا موضوع اس سال بہت تاریخی بھی ہے اور بہت دشوار بھی ہے۔ دشواری یوں ہے کہ جس راستے پر مجھے چلنا ہے اس راستے پر ہر قدم پر عقیدتوں کے چراغ روشن ہیں۔

لہٰذا دونوں ہی باتوں کا خیال رکھنا ہے، چراغ کی لَو سے اپنا دامن جل نہ جائے اور اپنے دامن کی ہوا سے کسی کی عقیدت کا چراغ بجھ نہ جائے۔ یہ بات آپ خود اندازہ لگائیں کہ اب جا کے یہ ہمت پیدا ہوئی کہ ہم تاریخ کے اس دور کا تجزیہ آپ کے سامنے پیش کریں۔

چنانچہ میں نے آپ کی خدمت میں کل سرورِ کائناتؐ کی حیاتِ طیبہ کے سلسلے میں ایک مختصر جھلکیاں کچھ پیش کیں وہ آفتاب جو ساری دنیا کو منور کرنے کے لیے عربستان میں چمکا اور ترسٹھ سال تک اپنی شعاعوں سے انسانیت کے دل و دماغ کو

منور کرتا رہا۔ اپنے سیرت و کردار، اپنے پاکیزہ عمل اور اپنے بلند اخلاق، اپنی بے مثال سیرت اور اپنی نورانی صورت سے دنیا کو وہ سب کچھ عطا کرتا رہا جس کی دنیا کو حاجت تھی، تو تیئس سال تک احکامِ اسلامی، ارشاداتِ پروردگارِ عالم قرآن پاک، احادیث نبویؐ، سیرتِ طیبہ کے ذریعہ بیمار انسانیت کا علاج کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۱ ہجری آئی اور ۱۱ ہجری میں صفر کے مہینے میں، یا ربیع الاوّل کے مہینے میں، مجھے تاریخ کے اس اختلاف میں پڑ کے اپنا وقت نہیں صرف کرنا ہے۔ بہر حال ۱۱ ہجری کے ابتدائی مہینوں میں کسی وقت وہ آفتابِ ہدایت غروب ہوگیا، اور یہ بات میں آپ کی خدمت میں عرض کر دوں کہ اس سال جو یہ سال شروع ہوا ہے، ۱۱ ہجری یہ عام الحزن ہے، یعنی غم کا سال ہے، اور سال جو گزر گیا۔ یہ مسرت کا سال تھا اور ولایت کے اعلان کا سال تھا، ویسے یہ سال جو آیا ہے تو عزیزانِ محترم میں آپ کی خدمت میں عرض کروں کہ ۱۱ ہجری ہمارے لیے غموں کا سال ہے، اس لیے کہ اسی سال سرکارِ عالم دنیا سے رخصت ہوتے ہیں، اور اسی سال معصومہ کونین جناب فاطمہ زہراؑ کی شہادت بھی ہوئی ہے، اور اس سال ۱۴۳۱ھ میں چودہ سو سال پورے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اگر حضور سرورِ کائناتؐ، اُم المومنین خدیجہؑ اور ابوطالبؑ کی وفات کے سال کو عام الحزن کہہ سکتے ہیں تو حضورؐ سرورِ کائنات اور معصومہ کونینؑ کے وصال کو اگر ہم عام الحزن کہیں تو غلط نہیں ہے۔

غور فرمایا آپ نے ــــــ!

اور بہر حال یہ بھی میں گزارش کروں گا آپ سے کہ جیسے آپ نے اس ولایت کے سال کو شان دار طریقے سے منایا ویسے ہی رحلتِ رسولؐ اور شہادتِ سیدہ کے سال کو اُسی شایانِ شان طریقے کے اُوپر اور اسی شاندار طریقے پر منایا جانا چاہیے جو اس کے لیے زیبا ہے جو بات مجھے عرض کرنا ہے جو بات مجھے شروع کرنا ہے وہ یہ

ہے کہ حضور سرور کائنات تریسٹھ سال اپنی سیرت کے طے کرنے کے بعد، اور تیس سال احکام الٰہی پہنچانے کے بعد ۱۱ ہجری کو یہ آفتاب ہدایت غروب ہو گیا، اور اللہ نے جس کو سبب تخلیق بنا کے بھیجا تھا جس کی وجہ سے یہ زمین و آسمان خلق ہوئے تھے، جس کے بھیجنے کے بعد اللہ نے فرمایا تھا کہ ہم نے بنی نوع انسان کے اُوپر یہ احسان کیا کہ جو ہم نے اپنے رسول کو اس دنیا میں بھیجا، اور وہ معجزۂ سیرت و کردار جو اس دنیا میں تشریف لایا تھا، وہ دنیا کے ظاہری اعتبار سے تریسٹھ سال زندگی گزارنے کے بعد اس کا وجودِ مبارک ہمارے درمیان سے رخصت ہوا، اور اس نے ہم سے پردہ کر کے عالمِ انوار کی طرف مراجعت فرمائی۔ ظاہر ہے کہ انسانیت کے واسطے یہ سانحہ سب سے بڑا سانحہ اور انسانیت کے واسطے یہ غم سب سے بڑا غم کہ وہ رحمت، وہ نور، وہ پاکیزہ ہستی، وہ مرسلِ اعظم اور وہ اللہ کا رہبر جو سب سے بڑی ہدایت کی طاقت لے کر آیا تھا، وہ ہمارے درمیان سے رخصت ہو گیا۔

عزیزانِ گرامی ــــــ!

لیکن میں صرف اس وقت کی منظر کشی کرنا چاہتا ہوں۔ جب یہ سانحہ ہوا ہے، اب آپ میری طرف متوجہ رہیں، میں حتی الامکان اس بات کی کوشش میں رہوں گا کہ تاریخ کو تاریخ کی طرح پڑھوں، اس سے کسی کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگانا مقصود نہیں ہے، لیکن اگر کوئی سوال میرے دل میں ہے تو میں آپ تک پہنچاؤں گا۔ اگر کوئی فکر ہے میری تو میں آپ کو بتاؤں گا تا کہ ہم آپ دونوں مل کے سوچیں کہ کیا ہے؟ جس وقت حضور سرور کائنات دنیا سے رخصت ہوئے ہیں، اس وقت کا عالم یہ تھا کہ قرآن پاک مرتب نہیں تھا، باقاعدہ کتاب کی شکل میں، بلکہ لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا۔ چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیتوں پر ایک سو چودہ سورہ پر مشتمل یہ عظیم کتاب تھی، اور اللہ کا آخری پیغام تھا۔ باقاعدہ ایک کتابی شکل میں جیسے آج آپ کے

ہاتھوں میں ہے، ایسے ان لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں تھی، بلکہ قرآنی آیات لوگوں کے سینوں کے اندر محفوظ تھیں۔ جتنا ضخیم اور جس قدر معتبر کتاب ہے، جس کا نام ہے قرآن۔ اس سے چار گنا زیادہ موٹی، ضخیم کتاب بن جائے جو احادیثِ رسول تھیں، وہ بھی کتابی شکل میں نہیں تھی بلکہ وہ بھی لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھیں۔ پوری اسلامی شریعت جس کے اندر اُصولِ دین، فروعِ دین، اسلامی سزائیں، ثواب، عذاب، واجب، حرام، مستحب، مکروہ ہر ایک کے احکام، نماز کے احکام، روزے کے احکام، حج کے احکام، زکوٰۃ و خمس کے احکام، جہاد کے احکام، مسجد کے مسائل، نکاح کے مسائل، طلاق کے مسائل، تجارت کے مسائل، بیچنے کے مسائل، خریدنے کے مسائل، زندگی کے مختلف مسائل، یہ باقاعدہ کسی فقہ کی کتاب میں نہیں تھے، بلکہ لوگوں کے ذہنوں اور دلوں میں محفوظ تھے وہ مسائل۔

غور فرمایئے گا آپ ـــــ!

جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ پوری ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں۔ یہ پورا اسلام اس مجمع کے اندر پھیلا ہوا تھا جو مجمع حضور سرورِ کائناتؐ کے گرد جمع رہتا تھا، جو آپؐ کے تعلیمات کو سنتا تھا، آپ کی بات کو سنتا تھا، آپ کی نصیحت کو سنتا تھا۔ ان کے سینوں میں یہ چیزیں محفوظ تھیں۔ اب میرا ایک سوال ہے، اللہ کا رسولؐ اتحاد چاہتا ہے اپنی اُمت میں کہ اختلاف چاہتا ہے؟ ہماری پبلک سے بحث ہی نہیں ہے کہ پبلک کیا چاہتی ہے؟ اللہ ملت کو مختلف راستوں پر چلتا دیکھنا چاہتا ہے یا اتحاد کے راستوں پر چلتا دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ چیز کہ جو اجتماعی طور کے اُوپر لوگوں میں پھیلی ہوئی ہو، کبھی ایک بن کے ظاہر نہیں ہو سکتی۔

عزیزانِ گرامی ـــــ!

اس مسئلے پر آپ غور کریں اور سوچیں، میں نے آپ کے سامنے تقریر کی، اور

اس تقریر کو اتنے بڑے مجمع نے سنا اور میں تقریر کر کے اُٹھ گیا، اور میری تقریر مجمع نے سن لی، اور اب اس تقریر کے اُوپر عمل کریں گے"۔ اب جس کے پاس جتنا ذہن تھا، جس کے پاس جتنی فکر تھی، جس کے پاس جتنی عقل تھی، اس نے اتنا میری تقریر کو سمجھا، تو اب ہر ایک نے اپنی حیثیت سے میری تقریر کو بیان کیا، میری تقریر ایک تھی لیکن جب مسجد سے باہر نکلی تو مختلف تقریریں ہو چکیں۔ کیا اسلام کے واسطے اس بات کا خطرہ نہیں تھا؟ کیا اسلام کے واسطے اس بات کا اندیشہ نہیں تھا، لیکن اگر تقریر کا ماحول یہ ہو کہ کوئی آیا، کوئی گیا، کسی نے آخری دس منٹ کی تقریر سنی، کسی نے شروع کی دس منٹ کی تقریر سنی، کسی نے بیچ میں پندرہ منٹ کی تقریر سنی، لیکن رسولؐ اللہ کی تیئس برس کی تبلیغی زندگی میں آنے والے آ بھی رہے ہیں۔ کوئی آج سمجھ دار ہوا، کوئی کل سمجھ دار ہوا۔ کسی نے مکے کی تبلیغ پائی، کسی نے مدینے کی تبلیغ پائی۔ کوئی آغاز تبلیغ کے وقت بچہ تھا، بعد میں جوان تھا، کوئی بوڑھا تھا اور رسولؐ کے بعد بہت زیادہ ضعیف ہو گیا۔ یہ سارے انسانی مسائل جو ہیں یہ سب کچھ تبلیغ کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ اگر عوام کے ذہن کے بھروسے پہ چھوڑ دیا جائے گا، تو نہ قرآن ایک ملے گا نہ حدیث ایک ملے گی، نہ فقہ ایک ملے گی ــــــ (صلوٰۃ)

کیا عقل کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ کوئی ایسا انسان بھی ایک ہو جو اس سارے مسئلہ کا ذمہ دار ہو؟ کوئی ایسا بھی انسان ہو جس کا قول تمام معاملات میں قولِ فیصل ہو اور جس کا آخری قول ہو جو کہہ دے وہی طے ہو جائے۔

غور فرمایا آپ نے ــــــ؟

رسولؐ کے بعد اگر عوامی بھروسے پر حدیثیں چھوڑی جائیں، قرآن چھوڑا جائے، دین چھوڑا جائے، تو کیسے ہم بھروسہ کریں کہ ہم کو وہی مل گیا جو رسولؐ اللہ دے کے گئے تھے، جبکہ سب ایک علم کے لوگ نہیں، سب ایک سمجھ کے لوگ نہیں،

سب ایک عمر کے لوگ نہیں۔ سب ایک معیار کے لوگ نہیں۔ لہٰذا عقل یہ کہتی ہے کہ اگر رسولؐ دنیا سے جانے والے ہیں، تو یا تو ان کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں، قرآن مرتب کروا دیں، حضورؐ کا کیا یہ فرض نہیں بنتا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں قرآن مرتب کروا دیں، اور اس کے اُوپر دستخط کر دیں کہ ہاں اس کو میں نے سن لیا، اور پڑھ لیا۔ یہی وہ وحی ربانی ہے جو مجھ پر نازل ہوئی تھی۔ اپنی زندگی میں اپنی حدیثوں کی کتابیں مرتب کروا دیں اور ان کو ملاحظہ فرمالیں، اور اس پر مہر لگا دیں کہ ہاں یہ میری حدیثیں ہیں۔ اپنی زندگی میں ایک ایک صحابی کو مقرر کر دیں کہ تم نماز کے مسائل لکھو۔ تم روزے کے مسائل لکھو، تم حج کے مسائل لکھو، تم زکوٰۃ و خمس لکھو، تم فقہ کا فلاں چیپٹر (chapter) لکھو، حضورؐ سارے چیپٹر لکھوا دیں، اور اس کے بعد جنھوں نے لکھا ہو ان کو بٹھا کے سنیں جہاں جہاں مطابق نہ ہو، ان کو ٹھیک کریں۔

اچھا یہ بھی سن لیجیے کہ حضور سرورِ کائناتؐ کی رحلت اچانک نہیں ہوئی ہے، یعنی انسان کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کے کاروبار پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، اس کے معاملات اُلجھے ہوئے ہوتے ہیں، کچھ خبر نہیں گھر والوں کو پھیلا ہوا کاروبار ہے، کس سے کیا لیا ہے، کس کو کیا دیا ہے، کس سے کیا وعدہ کیا ہے، کس پہ کیا باقی ہے، کہاں اچھے خاصے بیٹھے تھے، آفس میں یکا یکی دل گھبرایا، پانی پیا، ڈاکٹر کو کہا، ٹیلی فون کرو، جتنی دیر میں ڈاکٹر آیا اتنی دیر میں کہا یہ ختم ہو گئے۔ اب گھر والے سر پکڑے بیٹھے ہیں، کہا: ہائے ہائے ہمیں کیا معلوم تھا کہ اتنی جلدی یہ ہو جائے گا۔

ہوتا ہے زندگی میں ایسا، لیکن یہ اچانک موتوں میں ہوتا ہے لیکن اگر کوئی ایسی بیماری میں مبتلا ہے جس کی زندگی میں دو مہینے باقی ہیں، مان لیجیے کوئی سمجھ دار آدمی ہے، جس سے اس کی بیماری چھپائی نہیں گئی، پڑھا لکھا آدمی ہے، اس کو ڈاکٹر نے بتا دیا کہ آپ زیادہ نہیں چلنے والے، دو مہینے میں، چار مہینے میں آپ ختم ہیں۔ تو اب اس

کا تو فرض یہ ہے کہ وہ سب کو بتا دے، اپنے خاندان والوں کو، متعلقہ لوگوں کو بٹھا کے بتا دے کہ دیکھو مجھے فلاں مرض ہو گیا ہے اب میں بچنے والا نہیں ہوں، فلاں کے یہاں پیسے باقی ہیں، فلاں سے یہ کرنا ہے، فلاں سے یہ معاملات ہیں۔ اس کو نوٹ کرلو۔ وہ فائل نکال لو اس پہ فلاں سے دستخط کرا لو، یہ پلان ہے۔ ہو سکے تو اس کو چلانا۔ یہ پروجیکٹ ہے ہو سکے تو اس کو بنانا۔ یہ سب کچھ ہے کہ نہیں ہے اس کو علم ہوتے ہوئے بھی معاملات اس طرح پھیلے ہوئے ہوں۔

تو عزیزانِ گرامی ـــــ!

دنیا کا ایک معمولی سمجھدار انسان اپنی موت کا زمانہ قریب آنے کے بعد ایسا نہ کرے گا، تو جو دنیا کا سب سے بڑا رسولؐ ہو وہ اسلام کو یوں پھیلا ہوا چھوڑ کے چلا جائے گا؟ کیا عقل اس کو تسلیم کرتی ہے؟ کیا عقل اس کو مانتی ہے؟ یہ عقل نے تسلیم نہیں کیا کہ رسولؐ اپنے دین کو ایسے چھوڑ کے چلے جائیں اور جس کی جو سمجھ میں آئے وہ تفسیر قرآن کر دے، جس کی جو سمجھ میں آئے وہ تاویلِ حدیث بیان کر دے، جس کی جو سمجھ میں آئے وہ فقہ اسلامی بیان کر دے۔ اور حضورؐ دنیا سے رخصت ہو کے چلے جائیں۔ یہ فرض تھا خدا کی طرف سے کہ قرآن مرتب کر کے، حدیثوں کی کتابیں لکھوا کے، فقہ کے سارے مسائل لکھوا کے دنیا سے جاتے، یا تو حضورؐ یہ سب کر کے جائیں یا کوئی ایک ایسا ذمہ دار آدمی چھوڑ کے جائیں کہ اگر رسولؐ نہ رہے تو وہی بتائے، جو اگر حضورؐ ہوتے تو وہی بتاتے ـــــ (صلوٰۃ)

غور فرمایا آپ نے ـــــ!؟

ہم اس کے قائل ہیں کہ حضورؐ دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن ان پر الزام نہیں دیا جا سکتا، اس لیے کہ وہ اپنے بعد امامِ معصومؑ چھوڑ کے گئے، امام چھوڑ کے نہیں گئے، امامِ معصومؑ چھوڑ کے گئے۔ امامِ معصومؑ وہ رہبر ہے جو خدا کی طرف سے مقرر ہو، اور

جس سے غلطی کا امکان نہ ہو، عجیب وغریب منزل پر میں لے آیا آپ کو، امامِ معصومؑ وہ ہے جو خدا کی طرف سے مقرر ہو اور اس سے غلطی کا امکان نہ ہو، آپ کہیں گے کیوں؟

اگر غلطی کا ایک امکان بھی ہے تو پورا اسلام مشکوک ہو جائیگا کہ خدا جانے کہاں غلطی کر گیا، لہٰذا اس کی پوری زندگی میں ایک غلطی کا بھی امکان نہ ہو، وہ ہے امامِ معصومؑ۔ حضورؐ نے پوری تبلیغ جو کی، اچھا دیکھئے میں ایک بات کہوں کہ اگر میں آپ سے پوچھ لوں کہ یہ بتایئے کہ میں نے ۸۵ء میں کیا پڑھا تھا آپ کے سامنے؟ تو آپ نہیں بتا پائیں گے۔ اچھا میں نے ۸۹ء میں کیا پڑھا تھا؟ وہ بھی نہیں بتا پائیں گے سوائے اس کے کہ میری دس گھنٹوں کی تقریر میں سے کہیں سے آپ کو دس منٹ کی گفتگو یاد ہو۔ اب اگر میں یہ کہوں کہ آپ کو یاد نہیں اور آپ مجھ سے روٹھ گئے کہ لیجئے آپ نے ہم کو کافر کہا، ہم کو ظالم کہا، ہم کو بے دین کہا۔ کچھ نہیں کہا ہم نے آپ کو لیکن آپ اپنی کمزوری اور مجبوری کو تو سوچئے کہ آپ کا دماغ اتنا قوی نہیں ہے کہ جو میری زبان سے نکلے وہ آپ یاد کر لیں، تو اب کیا ہو؟

توجہ چاہتا ہوں عزیزانِ گرامی ـــــ!

اب کیا ہو؟ اگر مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ میں نے ۸۹ء میں کیا پڑھا ہے مغل مسجد میں، تو کیا ہو پھر؟ اب آپ جانتے ہیں کیا ہوگا؟ میں آپ کے پاس نہیں جاؤں گا۔ ایک سے ایک بزرگ، ایک سے ایک عالم، ایک سے ایک پڑھے لکھے لوگ ہیں اس مجلس میں شریک، میں کسی کے پاس نہیں جاتا، میں اس لڑکے کو ڈھونڈ رہا ہوں، یہ عمران جو ہے اس لڑکے کو ڈھونڈ رہا ہوں، یہ کمسن چھوٹا سا لڑکا، اس کی فکر میں ہوں کہ یہ مل جائے۔ یہ پیدا بھی بعد میں ہوا ہے، ہم بمبئی پہلے سے آتے ہیں بہت بعد میں پیدا ہوا، لیکن ہم اس کی تلاش میں ہیں۔ ایک سے ایک بزرگ مل رہے ہیں، ہم ان

سے کچھ نہیں کہتے، کہا: اطہر صاحب پریشانی کیا ہے آپ کو؟ کیوں پوچھ رہے ہیں اس کو؟ اس کے پاس ہمارا ویڈیو کیسٹ ہے۔ انھوں نے کہا: ارے یہ بھی تو مجلس میں شریک تھے؟ انھوں نے کہا: شریک تو تھے مگر بتا تھوڑا ہی پائیں گے، بتائے گا تو وہی جس کے پاس ویڈیو کیسٹ ہوگا، اس لیے کہ جس کے پاس ویڈیو کیسٹ ہے صورت بھی نہیں بدلے گی، آواز بھی نہیں بدلے گی، لفظیں بھی نہیں بدلیں گی، معنی بھی نہیں بدلیں گے ___ (صلواۃ)

اب سمجھے آپ اسلام غیر محفوظ نہیں ہے، کوئی یہ نہ سمجھے کہ اسلام غیر محفوظ ہے، اسلام غیر محفوظ نہیں، اسلام محفوظ ہے۔

لہٰذا امام معصومؑ بزمِ رسولؐ میں اوّل سے آخر تک ہو، علیؑ دعوتِ عشیرہ کے دن بھی تھے، علیؑ اس وقت بھی تھے جب رسولؐ دنیا سے جا رہے تھے ___ (صلواۃ)

سنئے آپ! میں اکثر پڑھتا ہوں کہ کوئی الٰہ آباد سے، کانپور سے، لکھنؤ سے، حیدرآباد سے، کہیں سے آیا۔ پہلی مرتبہ آیا بمبئی۔ آپ پرانے رہنے والے یہاں کے آپ نے کہا: ہم گھمائیں گے تمھیں بمبئی۔ ہم تمھیں چوپاٹی دکھائیں گے، ہم تمھیں جوہولے جائیں گے، ہم تمھیں بمبئی کی تفریح گاہیں دکھائیں گے، وہ بے چارہ بیٹھا سن رہا ہے کہ ہاں ہاں، کیونکہ وہ آیا ہے بمبئی گھومنے کے لیے۔ آپ یہیں کے رہنے والے ہیں، تو جو خاص خاص چیزیں وہ آپ کہہ رہے ہیں کہ دکھائیں گے تمھیں، ہم بھی اسی بمبئی میں پیدا ہوئے اور آپ بھی بمبئی میں پیدا ہوئے، آپ نے ہم سے کہا کہ چلیے بمبئی گھما دیں، فلاں چیز دکھائیں گے، فلاں دکھائیں گے، وی ٹی دکھائیں گے اور انٹرنیشنل ایئرپورٹ دکھائیں گے۔

انھوں نے کہا: آئیں، یہ آپ کو کیا ہوگیا ہے؟ ارے جس بمبئی میں آپ پیدا پرورش ہوئے ہیں، اسی بمبئی میں آپ پیدا پرورش ہوئے ہیں، آپ ہمیں کیا دکھائیں

گے جو ہو، ہمیں کیا دکھائیں گے چوپاٹی، ہمیں کیا، دکھائیں گے وی ٹی، ہمیں کیا دکھائیں گے انٹرنیشنل ایئرپورٹ، چلئے ہم خود ہی آپ کو دکھا دیں، یہ تو تنے سے کہیے، بمبئی کا آدمی بمبئی کے آدمی سے کیا کہے گا؟ ابھی بمبئی کا آدمی بمبئی کے آدمی کو کیا گھمائے گا؟

جب رسولؐ دنیا سے اُٹھ گئے، تو بمبئی والے نہیں موجود تھے وہاں، مکے مدینے والے موجود تھے، علیؑ نے ان میں بیٹھ کے کہا: آؤ میں تمہیں بتاؤں کون سی آیت دن میں اُتری؟ کون سی رات میں اُتری، کون سی میدانی علاقے میں اُتری، کون سی پہاڑی علاقے میں اُتری، کون سی حالتِ جنگ میں اُتری، کون سی حالتِ امن میں اُتری، کون سی ناسخ، کون سی منسوخ، ہم نہیں تھے وہی لوگ تھے سر جھکائے بیٹھے رہے، سنتے رہے کسی نے یہ نہ کہا کہ علیؑ تم ہمیں کیا بتاؤ گے جہاں تم تھے وہیں ہم تھے، جو تمہیں معلوم ہے وہ ہمیں معلوم ہے ___ (صلواۃ)

تو عزیزانِ گرامی ___!

اس مسئلے کو سمجھئے کہ اگر رہبر معصومؑ نہ ہو تو یہ دین دشمنِ عقل ہے، اسلام دشمنِ عقل ہے، ہم سے آپ کہیے کہ آنکھیں بند کر کے مانو، ہم نہیں مانیں گے۔ یہ اگر کہیے کہ آنکھیں بند کر کے مان لیں تو یہ اللہ نے آنکھیں دی کیوں ہیں کہ بند کر کے مانیں؟ بھئی سوال یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے ماننے کی بات ہے تو پھر آنکھیں دیں کیوں؟ جو ہم بند کر کے مانیں۔ ہم تو آنکھیں کھول کے مانیں گے، اور آنکھیں کھول کے ماننے کی بات جہاں تک ہے اس میں آپ مجھے بہت پیارے ہیں مگر میں آپ کے ذہن پر اتنا بھروسہ نہیں کر سکتا کہ آپ اگلے سال کی میری تقریر اس سال مجھے سنا دیں۔ سال بھر بات تو میرے دوستو بہت رہی۔ آج ہی کی تقریر آج ہی سنا دیجیے تو میں جانوں۔ رہ گیا جہاں تک تعریف کرنے کا سوال ہے، تعریف کرنا الگ بات

ہے۔ بھئی بہت پسند آئی آج آپ کی تقریر، اطہر صاحب بہت اچھی تقریر تھی، وہ ایک الگ بات ہے، اس کا کچھ جز یاد رہ گیا ہو آپ کو یہ بھی ایک الگ بات ہے۔ اسے من و عن کہنا، اگر میں نے صبح کہا ہے تو صبح ہی کہیں اسے دن نہ کہیں آپ، اگر میں نے شام کہا ہے تو شام ہی یاد ہو رات نہ کہیں آپ۔ جہاں پہ جو لفظ میں نے استعمال کیا ہے وہاں کے اُوپر وہی لفظ ہو، یہ کام آسان نہیں ہے۔ یہ کام وہی کرے گا جس سے خطا کا امکان نہ ہو۔ اسی لیے یہ شرط ہے کہ امامِ معصوم ہو، بزمِ رسولؐ میں امام معصومؑ ہو، جو پہنچائے رسولؐ وہ معصومؑ اپنی عصمت کے ذہن میں ریکارڈ کرتا جائے، تاکہ وہی لفظیں دہن سے نکلیں جو رسولؐ کے دہن سے نکلی ہیں، اور وہی لفظیں آئیں جو اللہ نے نازل کی ہیں، تو جب رسولؐ بول رہے تھے تو علیؑ تھے، سنئے یہ فلسفہ کیا ہے؟ جو آج لوگ ہم سے پوچھتے ہیں یہ آپ کے یہاں ہے کیا؟ میں آپ کو دو جملوں میں سمجھا دوں کیا ہے؟

رسولؐ بول رہے تھے تو علیؑ بیٹھے تھے، یہ ہے اسلام کا تسلسل، یہ ہے اسلام کا اعتبار، ورنہ اعتبار نہ رہے گا تو سارا معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔ بھیا یہ بڑا خطرناک مسئلہ ہے، قابلِ اعتبار وہی اسلام ہے جو خدا نے بھیجا؟ وہی اسلام ہے۔

جو رسولؐ نے کہا؟ خدا بھی سچا، اس کا رسولؐ بھی سچا، اسلام بھی سچا، یہ کیا گارنٹی ہے کہ چودہ سو برس کا راستہ طے کر کے مال جو ہم تک آیا، یہ وہی ہے جو خدا نے بھیجا؟ معاملہ یہ ہے ابھی، تو جب رسولؐ بولے تو علیؑ بیٹھے تھے، جب علیؑ بولے تو حسنؑ بیٹھے تھے، جب حسنؑ بولے تو حسینؑ بیٹھے تھے۔ جب حسینؑ بولے تو زین العابدینؑ بیٹھے تھے، جب زین العابدینؑ بولے تو محمد باقرؑ بیٹھے تھے، جب محمد باقرؑ بولے تو جعفر صادقؑ بیٹھے تھے، جب جعفر صادقؑ بولے تو موسیٰ کاظمؑ بیٹھے تھے، جب موسیٰ کاظمؑ بولے تو علی رضاؑ بیٹھے تھے۔ جب علی رضاؑ بولے تو محمد تقیؑ بیٹھے تھے، جب محمد تقیؑ

بولے تو علی نقیؑ بیٹھے تھے، جب علی نقیؑ بولے تو حسنِ عسکریؑ بیٹھے تھے، اور جب حسن عسکریؑ بولے تو حضرت ولیٔ عصرؑ بیٹھے تھے۔ ہم نے بارہ دفعہ ایک سبق سنا، اب ہم پہ بھروسہ ہوا کہ تمھیں یاد ہو گیا ہوگا، اب جو آخری کاپی بچی تو وہ رکھ لیا ریکارڈ میں، کہا تم دین کا کام چلاؤ، جب اختلاف حد سے بڑھیں گے ہم اور یجنل کاپی نکال کے ملان کریں گے کس کا صحیح ہے ۔۔۔۔ (صلواۃ)

اب سمجھے حضور کہ کیا چیز ہے امامت ۔۔۔۔!؟

حضورؐ کی آنکھیں بند ہوئیں اور حضورؐ کی آنکھ بند ہونے کے بعد ضرورت اس بات کی تھی کہ اسلام کا کوئی پوری طرح جاننے والا موجود ہو، جس کو تمام اسلامی مسائل پر عبور حاصل ہو، اور جو تمام مسائل سے واقف ہو، جس کے پاس علمِ قرآن بھی ہو، جس کے پاس فہمِ حدیث بھی ہو، جو فقہ اسلامی کا بھی جاننے والا ہو، جو مزاج شناسِ رسالت بھی ہو، جو زبانِ رسالت کے الفاظ کے مطلب بیان کر سکتا ہو، ہم نے اسلام کی تاریخ میں علیؑ ابن ابی طالبؑ سے زیادہ نمایاں کوئی دوسری شخصیت نہیں پائی۔ علیؑ صرف میدانِ جنگ کے فاتح نہیں تھے، کوئی یہ نہ سمجھے کہ علیؑ صرف ایک بہادر کا نام ہے، جس کے سامنے کوئی جوان ٹھہر نہیں پایا۔ علیؑ ایک بہت بڑے عالم کا نام ہے جس کے سامنے کسی کا علمی چراغ نہ جلا، علیؑ ایک بہت بڑے فلسفی کا بھی نام ہے، جس کی فکر کے آگے کوئی ٹھہر نہ سکا۔ علیؑ ایک بہت بڑے فقیہ کا بھی نام ہے کہ جس کے اوپر سارا عالمِ اسلام دنگ رہ گیا۔ علیؑ ایک بڑے جج کا بھی نام ہے جس نے فیصلے میں کبھی خطا نہ کی، علیؑ کو آپ کیا سمجھتے ہیں؟ صرف خندق، خیبر شکن کہتے ہیں کہ علیؑ کے بازوؤں میں طاقت تھی خالی، نہیں علیؑ کو رسولؐ سے سمجھئے۔ اگر علیؑ کی طاقت کا اندازہ لَافَتٰی اِلَّا عَلِی سے لگے گا تو علیؑ کے علم کا اندازہ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا سے لگے گا۔ علیؑ کے قوتِ فیصلہ کا اندازہ اَقْضَاکُمْ عَلِی سے لگے گا کہ تم میں سب

سے زیادہ قوت فیصلہ علیؑ میں ہے۔ علیؑ کی منزلت کا اندازہ اس حدیث رسولؐ سے لگے گا کہ عَلِیٌّ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِن مُوسٰی "علیؑ کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے ہے"۔ علیؑ ولی تھے اور ولی امر مسلمین صرف طاقت کے بل کے اوپر نہیں ہوسکتا، جب تک اس کے دماغ میں فکر مستقیم نہ ہو، جب تک اس کے سینے میں علم کا سمندر نہ ہو۔

علیؑ کو اگر خطیب کی حیثیت سے دیکھتے ہیں ہم تو ثبوت میں نہج البلاغہ موجود ہے۔ علیؑ کو اگر ہم قاضی کی حیثیت سے دیکھتے تو وہ قضایا آج تک موجود ہیں جو فیصلے کیے، علیؑ کو اگر ہم فقیہ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں تو اسلامی فقہ میں علیؑ نے جو چراغ جلائے ہیں وہ آج تک روشن ہیں۔ علیؑ کو اگر ہم مفسر قرآن کی حیثیت سے دیکھتے ہیں تو آج تک علیؑ کی تفسیر یادگار ہیں، تو جب اسلام میں ایسی غیر معمولی شخصیت موجود ہے تو اب نہ وہ زمانہ ہے، نہ وہ لوگ ہیں، نہ وہ دور ہے، حکومت کسی اور کے پاس ہے، دولت کسی اور کے قبضے میں ہے، خزانہ کسی اور کے نام ہے، علاقہ کسی اور کے نام ہے، تو اب اس جھگڑے کو چھوڑ دیجیے، اختلاف نہ ہو جائے کہیں، کہ اقتدار کس کے پاس رہا۔ اس لیے کہ اب تو کسی اور ہی کے پاس ہے، نہ ان کے پاس ہے، نہ ان کے پاس ہے، مکہ مدینہ میں اقتدار کسی اور کے پاس ہے۔ اب نہ علیؑ کے پاس ہے، نہ علیؑ کے علاوہ اور دوسروں کے پاس۔ اب تو کسی کے پاس نہیں، نہ اس اقتدار سے ہمیں لینا دینا ہے کچھ، اس لیے کہ ہم دوسرے ملک میں رہتے ہیں، دوسرے علاقے میں رہتے ہیں۔

توجہ چاہتا ہوں عزیزانِ گرامی——!

یہ آخری بات زندہ رہا تو کل سناؤں گا، دیکھیے سنیے، حکومت سے جن معاملوں کا تعلق ہوتا ہے ان معاملے سے تو ہمارا کوئی تعلق رہا نہیں چودہ سو برس کے فاصلے کی

وجہ سے پیسہ لیتا ہے، ٹیکس دیتا ہے، جاگیر ملتا ہے، سزا پاتا ہے، تو نہ تو ہمیں پیسہ مل سکتا ہے۔ چودہ سو برس پرانی حکومت ہے، نہ چودہ سو برس پرانی حکومت ہم سے ٹیکس لینے آئے گی، نہ ہمیں سزا دے سکتی ہے، نہ جاگیر انعام میں دے سکتی ہے، لہٰذا وہ تاریخ کا چیپٹر تو بند ہی رہنے دیجیے ورنہ اختلاف اُبھریں گے۔

آج ہمیں جس چیز کی اب بھی ضرورت پڑتی ہے مسلمان ہونے کے ناطے، وہ حدیثِ رسول کی ضرورت پڑتی ہے۔ تفسیر قرآن کی ضرورت پڑتی ہے، یہ آج بھی بمبئی میں رہ کے ہمیں ضرورت پڑتی ہے کہ اس مسئلہ میں حکمِ خدا کیا ہے، اس مسئلہ میں حدیثِ رسول کیا ہے۔

اس پارے میں فلاں آیت کے معنی کیا ہیں؟ کیا مسلمان اس بات پر راضی ہو سکتے ہیں کہ سابق اختلافات کو وہیں چھوڑیے، آج جن باتوں کی ضرورت ہو اس کے لیے درِ علیؑ پر آجایا کریں، اس لیے کہ علیؑ سے بڑھ کے عالم نہیں گزرا۔

آپ غور کیجیے تفسیر قرآن، ارشادِ رسولؐ، حدیث نبویؐ، فقہ اسلامی، ان کی ضرورت آج بھی ہے، حکومت و سلطنت و دولت کا دور ختم ہو گیا۔ تو کیا مسلمانوں کے اتحاد کا یہ راستہ کچھ بے جا ہے؟ کہ سارے مسلمان مل کے علیؑ ابن ابی طالبؑ کی تعلیمات پر عمل کریں؟ اور ان کی سیرت کو اپنائیں، اور ان کے راستے پر چلیں اس لیے کہ وہ رسولؐ کے داماد بھی تھے، رسولؐ کے بھائی بھی تھے، رسولؐ کے خلیفہ بھی تھے، رسولؐ کے وصی بھی تھے، ولی بھی تھے، امام بھی تھے۔ تمام صفتیں ان کی ذات میں جمع تھیں، تو اگر مسلمان علیؑ کو اپنا رہبر فرض کریں تو کسی منزل پہ شرمائے گا نہیں۔ کسی منزل پر اس کی شرم سے پیشانی جھکے گی نہیں، بلکہ ہمیشہ فخر کے ساتھ اس کا سر بلند رہے گا کہ ہمارا رہبر و پیشوا حیدرؑ کرار ہے۔

غور فرمایا آپ نے ــــ!؟

بس آج یہیں پہ بات تمام ہے۔

تو علیؑ سے ہم کو حسنؑ ملے اور حسنؑ سے ہم نے حسینؑ کو پایا، اور یہ وہ سلسلہ ہے کہ اگر حسنؑ ملے تو ہم کو خُلقِ رسولؐ ملا، اور اگر حسینؑ ملے تو ہمیں جوہرِ شہادت ملا۔ حسنؑ نے ہم کو اخلاقِ رسولؐ کی تعلیم دی، حسینؑ نے ہم کو راہِ حق میں مر مٹنے کا جذبہ دیا۔

عزیزانِ گرامی ———!

زندہ رہنے کی تمنا ہر انسان کے دل میں ہوتی ہے مگر ہر انسان منزلِ موت کا مسافر ہے آخری منزل جو ہے اس کا نام موت ہے۔ یہ ساری کشتیاں زندگی کے سمندر میں ضرور چل رہی ہیں مگر موت کے ساحل کی طرف کھنچی چلی جارہی ہیں۔ زندہ رہنے کی آرزو تو ہر دل میں ہے مگر مرجانے کا سلیقہ بھی کسی میں ہے کہ نہیں، مرجانے کا سلیقہ سیکھنا ہو تو حسینؑ سے سیکھو۔

ذکرِ مصائب!

زندگی پیاری ہر ایک کو ہے، مگر ہاتھ ملتے ہیں جب زندگی چلی جاتی ہے، کیوں نہ ایسے بن جاؤ کہ زندگی خود تمہارے قدموں سے لپٹ کے رہ جائے، مگر بنے کون ایسا جب تک حسینؑ سے سبق نہ لے، جب تک حسینؑ سے سبق نہ لے۔

عزیزانِ گرامی ———!

جان دے دینے کی بات بھی نہیں ہوتی ہے، جو لوگ کہتے ہیں اچھائی کے لیے جان دے دی اور فلاں کے لیے جان دے دی۔ سینکڑوں لوگ صبح سے شام تک جان دیا کرتے ہیں اپنے اپنے کاز کے لیے۔

ڈیلی اخبار پڑھئے آپ، تو آپ کو پچیس، تیس، چالیس، پچاس آدمی ملیں گے

جو اپنے کسی مقصد کے لیے جان دیا کرتے ہیں روز، لیکن اخبار کے فائلوں میں دب جاتی ہے۔ بات تاریخ کے صفحوں تک آتی بھی نہیں ہے۔ یہ کون سے عظیم تھے جنھوں نے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے جان دی، مگر آج تک آفتاب بن کے چمک رہے ہیں۔

عزیزانِ گرامی____!

آج عظیم پیاسوں کا قافلہ کربلا پہنچ گیا، آج دوسری محرم ہے۔ آج بھوکا پیاسا قافلہ جس نے راستے میں حُر کے لشکر کو سیراب کیا تھا۔ چلتے چلتے حسینؑ کا گھوڑا رُکا، پوچھا: کون سی زمین ہے؟ جب کسی نے کہا: کربلا تو اتر پڑے۔ کہا: بھیا! عباسؑ ہمارا سفر تمام ہوا۔

زہے نصیب کربلا، ہم دعا مانگتے ہیں: اَللّٰھُمَّ مِدْخِلْنِیْ عِنْدَ قَبْرِ الْحُسَیْن، "اے پالنے والے! ہم دفن زمین کربلا پہ ہوں"۔ کربلا حسینؑ کی خرید کی ہوئی زمین ہے۔ پہلے جا کے کام یہ کیا کہ زمین داروں کو بلا کے زمین خریدی، تاکہ اب کوئی یہ نہ کہے کہ حسینؑ دوسرے کی زمین پہ تھے، بلکہ دشمن آیا تو حسینؑ کی زمین پہ، حسینؑ سے لڑنے آیا، اور اس کے بعد کہا کہ میں یہ زمین تمھی کو واپس کرتا ہوں۔

ہمیں یہاں رہنا نہیں ہے، خالی ہماری قبریں بنیں گی یہاں، تم سے اتنی گزارش ہے کہ جب کوئی ہماری زیارت کو آئے تو ہماری قبروں کے نشان بتا دینا، فاطمہؑ کا بھرا گھر کربلا میں آ گیا۔

بس عزیزانِ گرامی____!

کیا آپ میرے ساتھ منظر دیکھیں گے؟ آج کی رات کربلا کو دیکھ لیجیے، اور اس کے بعد ایک رات اور کربلا دیکھ لیجیے۔ دو منٹ کے اندر میں آپ کو ایک منظر دکھا دوں، آج چلیے آپ میرے ساتھ کربلا۔ یہ اصحابِ باوفا کے خیمے لگے ہیں، یہ زُہیر

ہیں، یہ عونؑ ہیں، یہ حسینؑ کے ناصر ہیں، یہ ہلال ہیں، یہ حسینؑ کے چاہنے والے سب جمع ہیں۔ اصحاب کے خیموں کے پہلو میں دوسری طرف عزیزوں کے خیمے لگے ہیں، یہ عقیلؑ کے بیٹے ہیں، یہ جعفرؑ کے لال ہیں، یہ زینبؑ کی گودیوں کے پالے ہیں۔ یہ حسینؑ کا حسین وجمیل ہم شبیہ پیغمبرؐ بیٹا علی اکبرؑ ہے۔ یہ چاند سا ٹکڑا جو چمک رہا ہے یہ حسنؑ کا لال قاسمؑ ہے، اور یہ جو خیموں کے چاروں طرف ٹہل رہا ہے، یہ علیؑ کا شیر عباسؑ ہے۔

یہ ہے دوسری محرم کی رات کی کربلا، اور بنی ہاشم کے خیموں کے اندر پیچھے، مخدراتِ عصمت وطہارت کے خیمے ہیں، جہاں نہ نظر جائے گی، نہ تصور جاتا ہے، یہ دوسری کا دن گزر کے رات کو ہے۔

اب آیئے چلئے کربلا پھر چلیں۔ دسویں کا دن گزر کے رات کو، جگہ جگہ لاشیں بکھری ہیں، جگہ جگہ میتیں پڑی ہیں، جگہ جگہ لوگ گردنیں کٹائے آرام کر رہے ہیں، یہ حسین وخوبصورت ہلالؓ سو رہا ہے، یہ عونؓ آرام کر رہے ہیں، یہ بچپن کے دوست حبیبؓ گردن کٹائے سو رہے ہیں، یہ میمنے کا سردار زہیرؓ سو رہا ہے، کیا آپ کلیجہ تھام کے میرے ساتھ اور چند قدم آگے چل سکیں گے۔ یہ بڑے خوبصورت لوگ جو سو رہے ہیں، یہ سب بنی ہاشم کے جوان ہیں، یہ فاطمہؑ کی کمائی ہے، یہ محمدؐ کا باغ ہے جو کربلا میں اُجڑ گیا۔ یہ علیؑ کے بیٹے ہیں، اور یہ چاند کا ٹکڑا جو ٹکڑے ٹکڑے ہے، یہ وہ ہے جس کے منہ پہ منہ رکھ کے حسینؑ کہہ رہے ہیں میرے لال، تیرا چچا آ گیا، اور آگے دیکھئے اگر آپ اپنا کلیجہ سنبھال سکے، یہ بہت خوبصورت جوان جو سو رہا ہے اس کے لیے کیا خوب کسی شاعر نے کہا ہے کہ

چمک رہی تھی جبیں آفتاب کی صورت
ملی تھی اس کو رسالت مآبؐ کی صورت

یہ حسینؑ کا اٹھارہ برس کا بیٹا علی اکبر آرام کر رہا ہے۔

اور چلئے میرے ساتھ تھوڑی دور، دریا کی ترائی میں ایک شیر سو رہا ہے، ہیبت سے کوئی قریب نہیں جا رہا ہے، یہ حسینؑ کے لشکر کا سردار، علیؑ کا چونتیس برس کا جوان عباسؑ ـــــ! بس عزیزو! ایک منٹ میں مجلس تمام، کیا آپ میرے ساتھ تھوڑی دور اور چلیں گے، تصور کو لے کے، آیئے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے، یہ آپ کربلا کی زمین میں ایک نشیب دیکھ رہے ہیں، جہاں سے ایک روشنی آسمان تک جا رہی ہے، یہاں وہ سو رہا ہے جس کو فاطمہؑ نے چکی پیس کے پالا، یہاں حسینؑ سو رہے ہیں، اور یہاں سے ایک رونے کی آواز آ رہی ہے، کوئی بچی رو رہی ہے بابا! ارے میرے بابا! اے بابا! شمر نے طمانچے لگائے۔ اے بابا! اندھیری رات آ گئی بابا۔ اے بابا! اب میں کس کے سینے پہ سوؤں گی۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

مجلسِ چہارم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

ارشادِ اقدس جناب رب العزت ہے کہ "یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔ سلسلۂ کلام ذہن عالی میں ہوگا۔ ہمارے آپ کے درمیان جس گفتگو کا سلسلہ جاری ہے، وہ یہ ہے کہ تاریخ اسلام کا مطالعہ اور سروے اا ہجری سے ۶۱ ہجری تک، کل میں نے آپ کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ جب حضور سرورِ کائناتؐ اس دنیا سے سدھارے ہیں، تو اس وقت قرآن لوگوں کے سینوں میں تھا، حدیثیں لوگوں کے حافظے میں تھیں، احکامِ اسلامی لوگوں کو یاد تھے مگر کتابی شکل میں مرتب ہو کر لوگوں کے سامنے نہیں آئے تھے۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی تھی کہ کوئی رہبری کرنے والا ہو کہ جو دنیا کو بتائے کہ مقصدِ پروردگار کیا ہے؟ ارشادِ ربانی کیا ہے؟ سیرتِ نبویؐ کیا ہے؟ تاکہ سچے اور صحیح اسلام کی نشان دہی ہو سکے اور ہمیں وہ چیز مل سکے جو ہمارے پروردگار کی جانب سے ہماری اصلاح کے لیے آئی تھیں۔ اس سلسلے میں یہ بات میں آپ کے سامنے عرض کردوں کہ ۱۰ ہجری کے آخر میں اور اا ہجری کے شروع میں حضورؐ نے بار بار اپنے دنیا سے رخصت ہونے کی نشان دہی کی ہے، اور مسلمانوں کو اس بات کی طرف متوجہ

کیا ہے کہ میں تمہارے درمیان بہت تھوڑے دنوں کا مہمان ہوں، اور دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں، چنانچہ جب حج کے لیے گئے تو اس اعلان کے ساتھ گئے کہ یہ میرا آخری حج ہے۔ اس کے بعد مجھے کسی اور حج کا موقع نہیں ملے گا، جس کو شرکت کرنا ہو وہ اس میں شرکت کرے، اور حضور سرور کائناتؐ پر ہم الزام بھی نہیں دے سکتے کہ انھوں نے ہماری ہدایت کے واسطے انتظام نہیں کیا اس لیے کہ تمام تاریخیں اس بات پر اتفاق کرتی ہیں کہ انھوں نے حج سے واپسی پر "غدیرخم" کے مقام پر اٹھارہویں ذی الحجہ کو لاکھوں کے مجمع میں، یہ صاف اعلان کر دیا کہ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَا "جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے، اور اس اعلانِ ولایت کے بعد اب یہ مسئلہ تمام ہو گیا کہ دین کے مسئلے میں ہم کس کے پاس جائیں اور کس سے پوچھیں، اس لیے کہ مولا کے لفظ کو جس طرح حضورؐ سرورِ کائنات نے استعمال کیا، اس سے یہ شک و شبہ بھی دور ہو گیا کہ مولا کے معنی کیا ہیں۔ حضورؐ نے جو ارشاد فرمایا وہ یہ تھا:

اَللّٰہُ مَوْلَایَ ، وَاَنَا مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ، اَنَا مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَا

"اللہ میرا مولا ہے، میں مومنوں کا مولا ہوں، جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ مولا ہیں"۔

تو جن معنوں میں اللہ مولا ہے، جن معنوں میں رسولؐ مولا ہے، انہی معنوں میں علیؑ مولا ہے ۔۔۔۔ (صلوٰۃ)

میرے ایک دوست نے یہ ایک بات کہی کہ بہت زور ہے آپ کا اس حدیث کے اوپر، پھر بھی یہ حدیث ہے قرآن کی آیت تو نہیں ہے؟ قرآن کی آیت تو نہیں ہے۔ یہ حدیث ہے وہ بہت معتبر سہی، مگر حدیث ہے، آیت قرآن نہیں ہے۔ تو

میں آپ کی خدمت میں یہ بھی عرض کر دوں کہ حدیث کے پرکھنے کی کسوٹی ہمیں خود رسولؐ نے بتائی ہے کہ کیا ہے، ارشاد ہوا کہ جب ہماری حدیثیں تمہارے سامنے آئیں، تو تم اس کو قرآن سے ملا کے دیکھ لینا۔ اگر قرآن کے مطابق ہیں تو ہمارا فرمان ہے، ہم نے کہا ہے، اور اگر ہماری حدیث کا مضمون قرآن کے خلاف ہو تو سمجھ لینا کسی نے جھوٹ ہماری طرف منسوب کیا ہے۔ ہم نے نہیں کہا ہے، اس لیے کہ ہم خدا کے قول کے خلاف زبان نہیں ہلا سکتے، تو حضورؐ نے حدیث کے پرکھنے کی یہ کسوٹی صبح قیامت تک کے لیے ہمیں دے دی کہ جب کوئی حدیث سامنے لائی جائے تو اس کو قرآن سے ملا کے دیکھا جائے۔ اگر قرآن میں اس مضمون کی آیت ملتی ہے تو وہ حدیث صحیح ہے اور اگر جو حدیث میں مضمون ہے اس کے خلاف کی آیت قرآن میں ملتی ہے تو وہ قولِ رسولؐ نہیں ہے بلکہ کسی نے اپنے ذاتی مقصد کے لیے رسولؐ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ حضور سرورِ کائناتؐ کا ارشاد نہیں ہے۔ اب حدیث ہم کو یہ ملی کہ

اَللّٰهُ مَوْلَایَ ، وَاَنَا مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ، اَنَا مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ
فَهٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاهُ

"اللہ میرا مولا، میں مومنوں کا مولا، جس کا میں مولا، اس کے علیؑ مولا"۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم قرآن سے پوچھیں کہ اے قرآن تیرے اندر اس مضمون کے سلسلے کی کوئی آیت ہے کہ نہیں، اگر ہے تو یہ حدیث صحیح ہے۔ اگر نہیں ہے تو یہ حدیث غلط۔ تو کہا: اگر آیت چاہیے تو سنو:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ
الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَ هُمْ رٰکِعُوْنَ ○

"تمہارا ولی اللہ ہے، اس کا رسولؐ ہے، اور وہ صاحبانِ ایمان

ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جبکہ رکوع کر رہے ہوتے ہیں"۔

حدیث میں بھی تین ولایتوں کا ذکر ہے، قرآن میں بھی تین ولایتوں کا ذکر ہے ــــ (صلوٰۃ)

سرورِ کائناتؐ نے ایک طرف اعلانِ ولایت کرکے دنیا کو یہ بتا دیا کہ میرے بعد رہنمائی کون کرے گا، دوسری طرف ایک دوسری حدیث ارشاد فرمائی جو صبح قیامت تک کے لیے مسلمانوں کی رہبری کے لیے کافی ہے، دنیا سے جانے سے پہلے پہلے آپ نے مسلمانوں کے مجمع میں بار بار یہ فرمایا:

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتٰبَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَ اِنَّھُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَ حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْض

یہ حدیث جو حدیثِ ثقلین کے نام سے مشہور ہے عالمِ اسلام کے تمام علماء نے اپنی کتابوں میں لکھی ہے اور ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیا ارشاد فرمایا حضورؐ نے؟ کہ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ "میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں وزنی چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں"۔ کِتٰبَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ "ایک اللہ کی کتاب دوسرے میری عترت"۔ یعنی میرے اہلِ بیتؑ ہیں۔ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا "جب تک تم ان دونوں سے متمسک رہو گے" دونوں سے لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ "ہرگز ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہو گے"۔ وَ اِنَّھُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَ "اور یہ ہرگز ہرگز ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں گے"۔ حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْض "یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچ جائیں"۔

تمام عالمِ اسلام اس حدیث کو مانتا ہے۔ تمام مسلمان اس بات کے قائل ہیں

کہ سرکارِ ختمی مرتبتؐ نے حدیث ثقلین ارشاد فرمائی اور فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں: ایک اللہ کی کتاب ہے، دوسرے میری عترت ہے۔

عزیزانِ گرامی ــــــ!

ہم کچھ لوگوں کی نظر میں صرف اس بنیاد پر مجرم ہیں کہ اہلِ بیتؑ کے فضائل پڑھتے ہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ کوئی مسلمان اس بات پر اعتراض کرے کہ فضائلِ اہلِ بیتؑ کیا ہیں؟ اہلِ بیتؑ سے مطلب گھر والے۔ ''بیت'' عربی میں گھر کو کہتے ہیں۔ اہلِ بیتؑ معنی گھر والے، اہلِ بیت رسول کا مقصد ہے رسولؐ کے گھر والے، رسولؐ کے خاندان والے، رسولؐ کے رشتہ دار، رسولؐ کے فیملی ممبرز۔ شکوہ جب کیجیے جب میں اس منبر پر بیٹھ کے اپنے خاندان والوں کا ذکر کروں کہ ہمارا گھنٹہ برباد کر دیتے ہیں اپنے خاندان کی تعریف کیا کرتے ہیں۔ میں اپنے خاندان والوں کے لیے آج اتنے دنوں سے ایک حرف نہ بولا۔ میں جو کچھ بولتا ہوں وہ رسولؐ کے خاندان کے لوگوں کے لیے بولتا ہوں۔ آپ کیسے کلمہ گو ہیں کہ اپنے رسولؐ کے گھر والوں کی تعریف سن کے خوش نہ ہوں ــــ (صلواۃ)

ہم اپنے گھر والوں کی تعریف تھوڑی کر رہے ہیں، ہم تو رسولؐ کے گھر والوں کی تعریف کر رہے ہیں، اور رسولؐ کے گھر والوں کی تعریف بھی اس لیے کر رہے ہیں کہ وہ قابلِ تعریف ہیں۔ دیکھئے رشتہ داری کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ ہمارے پاس اُصول ہیں، رشتہ داریاں نہیں ہیں۔

پیغمبروں کے رشتے جو بگڑے، ہم نے ان کی مذمت بھی کی ہے۔ ارے پہلے نبی حضرت آدمؑ ابھی کے بیٹے کی مذمت ہوتی ہے کہ نہیں۔ آدمؑ کے صاحبزادے جو قابیل تھے، جو قاتل نکل گئے، کوئی ان کی تعریف کرتا ہے؟ تو اگر رشتہ داری کی بنیاد پر تعریف ہوتی تو قابیل کے لیے چپ رہتے کہ بھائی پیغمبرؑ کے صاحبزادے ہیں کچھ نہ

کہو۔ جناب نوحؑ کے صاحبزادے جنہوں نے کشتی چھوڑی، جن کا ذکر قرآن میں ہے، قرآن آج تک بُرا کہہ رہا ہے ہم کیا کہیں گے۔ اچھا رسولؐ کے رشتہ داروں میں لیجیے اپنے رسولؐ کے رشتہ داروں میں لیجیے، رسولؐ کے سگے چچا ابولہب صاحب، پورا سورہ ان کی مذمت میں موجود، آپ ذرا اس بات کو سوچیے اور انصاف کیجیے کہ اگر قرآن کو، اسلام کو، رشتہ داریوں کا خیال ہوتا تو وہ اس معاملے کو دبا دیتا۔ کیا مکہ میں اکیلا ابولہب کافر تھا، کیا ابوجہل کافر نہیں تھا، کیا عتبہ کافر نہیں تھا؟ کیا شیبہ کافر نہیں تھا کیا اور بجیرے کفار جن کے نام کتابوں میں لکھے ہیں ظالم موذی قسم کے عقبہ ابن ابی معیط، جس ملعون نے حضورؐ کے گلوئے اقدس میں کپڑا ڈال کے کھینچا، کتنا ملعون کافر تھا وہ، جس نے سرکارؐ سے گستاخی کی؟ لیکن قرآن نے نہ عقبہ کے لیے سورہ بھیجا، نہ ابوجہل کے لیے سورہ بھیجا، ابولہب کے لیے سورہ کیوں آیا؟ اگر قرآن کو رشتے داری کا پاس ہوتا تو ابولہب کا تذکرہ نہ کرتا، لیکن قرآن نے سورہ بھیج کے ایک نظیر قائم کر دی کہ اگر رسولؐ کا چچا ہو اور کافر ہو، رسول کا چچا ہو اور کافر ہو تو اسپیشل سورہ آتا ہے۔ تو اگر رسولؐ کا چچا ہو اور رسولؐ پر پروانہ وار نثار ہو تو ہم مدح کریں تو بگڑے کیوں؟ (صلواۃ)

تو رسولؐ نے ۱۰ ہجری کے آخر میں اور ۱۱ ہجری کے اوائل میں یہ آیت بار بار پڑھی کہ مسلمانوں میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب، ایک اہلِ بیتؑ، تو کیا اب اس کے بعد بھی کوئی شک و شبہ رہ جاتا ہے کہ ہم ہدایت کا راستہ کیسے تلاش کریں، اور سچائی کیسے ڈھونڈیں؟

اب اہلِ بیت رسولؐ کو ہم سے نہ پوچھئے، یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گے۔ کہاں تک؟ یہاں تک کہ ہمارے پاس حوضِ کوثر پہ پہنچ جائیں۔ میں مثالوں سے بچوں کو سمجھاتا ہوں، جب جس کا دل چاہے۔ دیکھیے ہمیں یہاں سے ایمان اور عقیدے کی دولت لے کے جنت تک جانا ہے۔ اِک مسلمان کا اصلی ٹھکانا

جو ہے وہ جنت ہے، تو ہماری آخری منزل جو ہے وہ جنت ہے، یہاں سے ہم کو لے کر کیا جانا ہے؟

ایک اٹیچی میں تو عقائد ہیں اور دوسرے میں اعمال ہیں۔ یہ دونوں بکسے بھری ہوئی ہیں۔ ایک میں کرنسی، ایک میں جیولری، عقائد کی جیولری، اعمالِ خیر کی کرنسی۔ یہ لے کے ہم کو دونوں اٹیچیاں جانا کہاں ہے؟ گھر کہاں ہے آپ کا؟ کہاں جانا ہے؟ کہا: جنت میں جانا ہے۔ تو اگر بمبئی میں ہم نے دھندا کر کے کمایا، انھوں نے کہا: بھئی کہاں جانا ہے؟ کہا: لکھنؤ جانا ہے۔ انھوں نے کہا: یہ تو آپ کا سامان لٹ جائے گا، راستے میں بڑے خطرے ہیں، بہت سے لکھنؤ جاتے ہوئے راستے میں لٹ چکے ہیں۔ کہا: بھئی ہم کو تو خیریت سے پہنچنا ہے لکھنؤ، تو کیا کریں؟ تو سرکار نے کہا: ہم کو محافظ دیجیے، تو انھوں نے دو محافظ دیے، یہ کہاں تک پہنچائیں گے؟ ہم نے پوچھا کہاں تک چلیے گا ہمارے ساتھ، کہنے لگے: ہم تمھیں کلیان تک چھوڑ دیں گے۔ انھوں نے کہا: واہ بھئی! یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی کہ کلیان تک چھوڑ دیں گے۔ کلیان سے لکھنؤ تو بہت دُور ہے۔ راستے میں لٹ جائیں گے تو کیا ہوگا؟ ہمیں تو ایسے محافظ چاہئیں جو ہمیں ہمارے گھر تک چھوڑ کے آئیں، کلیان تک چھوڑ دیں گے یا بھساول تک چھوڑ دیں گے یا بھوپال تک چھوڑ دیں گے، یا جھانسی میں چھوڑ دیں گے۔ ایسے محافظ ہمیں کیا کام آئیں گے؟ اس لیے کہ جہاں آپ چھوڑ دیں گے وہیں سے ہمیں کوئی لوٹ لے تو ہم کیا کریں گے؟ تو ایک تو یہ ہے کہ محافظ ہمارے ایسے ہوں جو ہمارے گھر تک جائیں۔ اچھا تو انھوں نے کہا: ٹھیک ہے چلئے ہم آپ کو گھر تک چھوڑ دیں گے، اب جو چلے تو ہم نے کہا: کیسے چلیں گے؟

تو ایک بولا: بائی روڈ چلئے، سیف رہیے گا، اپنے قابو کی سواری ہوگی۔ کار یہاں سے طے کیجیے اسی سے لکھنؤ تک چلیں گے اور ٹرین میں بس میں کوئی ٹھیک نہیں

ہے کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے۔ دوسرے نے کہا: نہیں بائی ٹرین چلئے۔ وہ ٹھیک ہے۔ گاڑی کے اوپر کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ چار آدمیوں نے گاڑی گھیر لی اور کار لوٹ لی۔ ہم نے کہا یہ تو بڑی مصیبت ہوگئی۔ دونوں محافظوں میں اختلاف ہوگیا۔ ایک کہتا ہے: بائی ٹرین چلئے۔ ایک کہتا ہے بائی روڈ چلئے۔ کہیں دونوں مل تو نہیں گئے ہیں مخالف سے، کہ ہم بائی روڈ جائیں اور لٹ جائیں۔ انھوں نے کہا: دیکھیے ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ بائی ٹرین چلئے۔ آپ نے ہماری نہیں مانی اور بائی ٹرین جائیں اور لٹ جائیں۔ اس نے کہا: دیکھیے ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ بائی روڈ چلئے آپ۔ آپ نے ہماری نہیں مانی۔ اب ہم کیا کریں۔

لہٰذا دونوں محافظ جو ہیں ان کو ایک زبان ہونا چاہیے، جی تو اب محافظ ایسا ہو جو ہم کو منزل تک پہنچائے۔ دوسرے دونوں محافظ جو ہیں وہ ایک زبان ہوں، یہ نہ ہو کہ یہ کچھ کہے وہ کچھ کہے۔

حدیث میں دونوں کی سیکورٹی موجود ہے، یہ جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر تک پہنچیں، اب جو دنیا کہتی ہے، یہ محافظ وہ محافظ، ارے کوئی محافظ سہی، ہم سب کو محافظ ماننے کے لیے تیار ہیں، مگر سو پچاس برس کے لیے، حوضِ کوثر تک کے لیے محافظ بنیں ــــــ (صلواۃ)

ان کی رائے کبھی جدا نہیں ہوگی، جو قرآن وہ اہلِ بیتؑ، جو اہلِ بیتؑ وہ قرآن۔ اب ایک بات سنئے گا؟ دو آدمی کہاں تک ساتھ رہ سکتے ہیں عالم اور جاہل کا ساتھ تھوڑی دور تک رہے گا۔ اس کے بعد چھوٹ جائے گا۔ اگر دو آدمی ہیں، ایک پڑھا لکھا ہے، ایک جاہل ہے، تھوڑی دیر تک تو دونوں ساتھ چلیں گے، اس کے بعد ان کا ساتھ چھوٹ جائے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پڑھا لکھا جانا چاہتا ہے، مثلاً لائبریری میں، اور جاہل جو

ہے وہ تماشا دیکھنے جانا چاہتا ہے، اس لیے کہ لائبریری میں اس کا کوئی کام نہیں ہے، ساتھ الگ الگ ہو جائے گا۔ ایک کنجوس ہے بہت، ایک ایک پیسے پہ جان دینے والا، ایک سخی ہے وہ کہتا ہے: اس ہوٹل میں ٹھہرو۔ وہ کہتا ہے: ارے وہاں اتنا پیسہ پڑے گا ادھر ہی ٹھہر جاؤ، فٹ پاتھ ہی پر بستر بچھا لو۔ یہ پیسہ بچ جائے گا۔ اِک سچا ہے، اِک جھوٹا ہے۔ کیسے ساتھ چلے گا بہت دنوں، ایک نیکوکار ہے، ایک بدکردار ہے، وہ مسجد پوچھ رہا ہے کہاں ہے؟ ایک شراب خانہ پوچھ رہا ہے کہاں ہے؟

تھوڑی دُور تک تو ساتھ جا سکتے ہیں، مگر زیادہ دیر تک جو دو الگ الگ کیریکٹرز کے مالک ہوں ان کا ساتھ نہیں رہ سکتا، اہلِ بیتؑ اور قرآن۔ رسولؐ کہتے ہیں کہ حوضِ کوثر تک ساتھ رہیں گے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رسولؐ نے کچھ نہ کہتے ہوئے بھی، اہلِ بیتؑ کا کیریکٹر بیان کر دیا۔ اب اس کے علاوہ اس سے بڑھ کے کوئی کیریکٹرائزیشن ہو نہیں سکتا کہ اہلِ بیتؑ کے کیریکٹر کو اگر سمجھنا چاہتے ہو تو قرآن کے کیریکٹر کو سمجھ لو۔ اہلِ بیتؑ کا کیریکٹر سمجھ میں آ جائے گا۔ تو اب اگر قرآن علم ہوگا تو اہلِ بیتؑ بھی علم ہوں گے، قرآن نور ہے تو اہلِ بیتؑ بھی نور ہوں گے، قرآن معجزہ ہے تو اہلِ بیتؑ بھی معجزہ ہوں گے۔ قرآن طہارت ہے تو اہلِ بیتؑ بھی طہارت ہوں گے ــــــ (صلواۃ)

تو عزیزانِ گرامی ــــــ!

قرآن اور اہلِ بیتؑ، اگر قرآن پاک تو اہلِ بیتؑ بھی پاک، قرآن نور تو اہلِ بیتؑ بھی نور، قرآن ہدایت تو اہلِ بیتؑ بھی ہدایت، قرآن اللہ کی جانب سے تو اہلِ بیتؑ بھی اللہ کی جانب سے، اچھا قرآن میں ایک صفت اور بھی ہے، یہ بتائیے کہ سورۂ بقرہ مرتبے میں زیادہ ہے کہ سورۂ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ؟ ان دونوں سورتوں میں سے کس کا مرتبہ بڑا ہے؟

آپ کہیں گے یہ بیکار بحث نہ چھیڑیے، قرآن کا چھوٹا سورہ ہو یا بڑا سورہ ہو، مرتبے میں برابر، معلوم ہوا قرآن میں چھوٹے بڑے کا فرق نہیں سب برابر، تو اہلبیتؑ میں بھی چھوٹے بڑے برابر، اب میں قرآن میں ایک اور چیز پیش کر رہا ہوں، قرآن میں بہت سے حروف ایسے ہیں جن کو حروف مقطعات کے نام سے جانا جاتا ہے۔ الٓمٓ، الٓرٰ، کھیٰعٓصٓ، ان کے معنی کیا ہیں؟ تو یا تو ترجمہ کرنے والوں نے ان کے معنٰی نہیں لکھے، یا یہ کہہ دیا کہ ہمیں نہیں معلوم۔ تو پھر لکھنے کا کیا مطلب؟ کہا: یہ کوڈ ورڈز ہیں، اللہ و رسولؐ کے بیچ کی گفتگو ہے، ہمیں نہیں معلوم اس کے معنی کیا ہیں؟

بالکل ٹھیک ہے کوڈ ورڈز ہونا چاہیے، اللہ اور رسولؐ کے بیچ گفتگو ہونا چاہیے، ہم مخالف نہیں، مگر پھر قرآن میں ذکر کیوں ہے ان کا؟ کیا ایکی سے جو قرآن چھاپیں تو یہ حروف ہٹا دیں؟ کہا: کافر ہونے کو دل چاہا ہے، قرآن میں ترمیم کرو گے، اچھا تو رہیں گے یہ معنٰی، ان کے نہیں معلوم، کہا: معنی نہیں تو کیا ہوا چونکہ قرآن کے جز ہیں اس لیے یہ رہیں گے، اس کا مطلب کہ قرآن میں بھی اِک ٹکڑا ایسا ہے جس کے معنٰی غائب ہیں، تو اب اگر اہلبیتؑ میں بھی کوئی غائب ہو تو اب یہ نہ کہیے گا کہ وجود کا فائدہ کیا ـــــ (صلواۃ)

تو وجود کا فائدہ کیا ہے؟ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْن "میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں"۔ ایک اللہ کی کتاب چھوڑ رہا ہوں، ایک اپنے اہلبیتؑ چھوڑ رہا ہوں۔ اللہ کی کتاب وہ ہے کہ جس کو پاک و پاکیزہ لوگوں کے علاوہ کوئی مَس نہیں کر سکتا، تو اہلبیت بھی وہ ہیں کہ قرآن جس کی طہارت کے لیے وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا کی آواز دے رہا ہے۔ قرآن وہ ہے کہ جس کے لیے خود قرآن میں ارشاد ہوا۔ ہم نے خشک و تر قرآن میں رکھ دیے، تو قرآن خود پکارا اہلبیتؑ کے لیے کہ

وَكُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ۔ قرآن قانون ہے، اہلِ بیتؑ تحریحِ قانون ہیں، قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اہلِ بیتؑ منشائے کلام کو واضح کرنے والے ہیں، اس لیے کہ اُمت کتاب میں دیکھے گی اہلِ بیتؑ سے سمجھے گی، اور اہلِ بیتؑ کو حضورؐ نے چھوڑا ہی اس لیے ہے کہ اہلِ بیتؑ بتائیں گے کہ اسلام کیا ہے۔ اب اہلِ بیتؑ اسلام سمجھ میں آئے گا۔ پیغمبرؐ جس کے ساتھ اسلام کر کے گئے ہیں اگر اس کے ساتھ ہے تو اسلام ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ نہیں ہے تو اسلام نہیں ہے۔ محمدؐ جس کے ساتھ کر کے گئے ہیں اگر اس کے ساتھ ہے تو اسلام ہے اور اگر اس کے ساتھ نہیں اسلام نہیں ہے۔ اگر قرآن اور اہلِ بیتؑ کے ساتھ چل رہا ہے، تب تو اسلام ہے۔ اگر قرآن و اہلِ بیتؑ سے منہ موڑے ہے تو وہ سلطنت ہوگی اسلام نہیں ہوگا۔

عزیزانِ گرامی ــــــ!

آج سے زیادہ دنیا میں اسلام کو کب سمجھا جائے گا؟ دنیا میں آج سے زیادہ موقع نہیں ہے اسلام کو سمجھنے کا۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ محمدؐ کا اسلام کیا ہے، سیاست کا اسلام کیا ہے؟ امریکا کا اسلام کیا ہے۔ اب کیا کہیں، اور کیوں کہیں، ہم کو اس کے علاوہ اور کچھ کہنا بھی نہیں ہے، کہ اللہ نے ہم کو دکھا دیا اپنی زندگی میں بھی، یقین تو ہمیں پہلے سے بھی تھا، مگر پریکٹیکل آنکھوں سے دیکھنے کے بعد یقین میں کچھ اضافہ ہو جاتا ہے، ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ شانِ رسالت میں گستاخی ہوئی، اور عالمِ اسلام کا بیشتر حصہ چپ رہا، شانِ رسالتؐ میں گستاخی ہوئی اور بجیرے مسلمان چپ رہے، جو خاص اسلام کے ٹھیکیدار تھے اور جہاں سے چھوٹے چھوٹے مسئلوں پر فتوے آتے تھے، کہ ماتم کرو تو فتویٰ، مجلس کرو تو فتویٰ، آنکھوں میں آنسو بھر لاؤ تو فتویٰ، میلاد النبیؐ مناؤ تو فتویٰ، یا حسینؑ کہہ دو تو فتویٰ، یا علیؑ کہہ دو تو

فتویٰ، یا محمدؐ کہہ دو تو فتویٰ، وہ اتنے بڑے مسئلے پر فتویٰ نہ دے سکے۔ تو اب ہم سوچنے میں حق بجانب ہیں کہ فتویٰ ایشو کہیں اور سے ہوتا ہے، ڈھل کے کہیں اور سے آتا ہے، جب ان کے پاس سے آیا ہی نہ ہو تو ایشو کریں کیا؟ اور دوسری طرف عالم اسلام کی یہ ناانصافی کہ جو مدح اہلبیت کرتے ہیں تو بگڑ بگڑ کے یہ کہتے ہیں کہ تم صحابہ کو تو مانتے ہی نہیں تم ازواج کو تو مانتے ہی نہیں، تم رسولؐ کو تو مانتے ہی نہیں، تم تو بس اہلبیتؑ والے ہو، بقیہ کی تو کوئی عزت نہیں، جب صحابہ کی عظمت پر حملہ ہوا، جب ازواج کے تقدس پہ حملہ ہوا، جب شانِ رسالتؐ پہ حملہ ہوا تو سب چپ رہے، بولا تو اہلبیتؑ ہی والا بولا ___ (صلوٰۃ)

دنیا ہم سے کیا آنکھیں ملائے گی، ہم تو حضورؐ کے ارشاد کی روشنی میں بات کر رہے ہیں کہ ۱۰ ہجری کے آخری زمانے میں اور ۱۱ ہجری کے شروع میں حضورؐ نے بار بار یہ بات کہی کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور ایک میری عترت۔ مَا اِنۡ تَمَسَّکۡتُمۡ بِهِمَا لَنۡ تَضِلُّوا بَعۡدِیۡ جب تک تم ان دونوں سے متمسک رہو گے، ان دونوں کے ساتھ رہو گے میرے بعد گمراہ نہیں ہو گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ امکانِ گمراہی موجود ہے، جب تک ساتھ رہو گے، جب تک نہیں گمراہ ہو گے، ورنہ اگر ساتھ نہ رہو گے تو گمراہی کا امکان ہے، اور یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ ہمارے پاس حوضِ کوثر پہ پہنچ جائیں۔

تو عزیزانِ گرامی ___!

اب اہلبیتؑ کا کیریکٹر آپ کو سمجھ میں آیا؟

رسول ہی کی حدیث سے کہ رسولؐ نے کیا کہا اُمت سے؟ جب دنیا سے جانے لگے تو ہم کو دو محافظوں کے حوالے کر کے گئے۔ ایک قرآن کے حوالے کر کے گئے اور

ایک اہلِ بیتؑ کے حوالے کر کے گئے، دوسری حدیث بھی سن لیجیے:

مدحِ اہلِ بیتؑ میں، ارشاد ہوا:

مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِي كَمَثَلِ سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجٰى

وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ وَهَوٰى

میرے اہلِ بیتؑ کی مثال نوحؑ کی کشتی سی ہیں۔

تمہید میں یہ بات بہت ضروری ہے، کیوں کہ آگے چل کے انھی سے مجھے کام لینا پڑے گا، مجھے ابھی پچاس برس کا سفر طے کرنا ہے، اور بڑا پُر خار راستہ ہے۔

ارشادِ رسولؐ ہے: میرے اہلِ بیتؑ کی مثال نوحؑ کی کشتی کی سی ہے، مَنْ رَكِبَهَا نَجٰى۔ جو اِن کے دامن سے متمسک ہو جائے اس نے نجات پائی۔ وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ وَهَوٰى ''اور جس نے ان کو چھوڑ دیا، وہ غرق و ہلاک ہوا''۔

دوسری حدیث میں بتایا کہ ہلاکت سے بچانے والی ہستیاں رسولؐ کے اہلِ بیتؑ ہیں۔ اچھا اہلِ بیتؑ بڑے عمدہ ہیں، بڑے اچھے ہیں، بڑے قابلِ تعریف ہیں۔ قرآن کے ساتھی ہیں، جو اِن کے دامن سے متمسک ہو جائے وہ نجات پا جائے، مگر ہیں تو یہ حدیثیں ہی قرآن تو نہیں ہے، تو قرآن سے پوچھیں قرآن! تو اہلِ بیتؑ کے لیے کچھ بول، تاکہ یا تو حدیث کی تائید ہو کہ حدیث کی تردید ہو۔ اسی اصول کی بنیاد پر جو میں نے پہلے سنایا، قرآن تو اہلِ بیتؑ کے لیے بول کچھ، رسول تو لفظ اہلِ بیتؑ استعمال کر رہے ہیں، وہاں اہلِ بیتی کہا۔ یہاں بھی اہلِ بیتی کہا۔ میرے اہلِ بیتؑ، میرے اہلِ بیتؑ، قرآن تو بتا اہلِ بیتؑ کے لیے تو کیا کہتا ہے تو قرآن نے آپ جانتے ہیں کیا کہا؟ اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ

یقیناً اللہ نے یہ ارادہ کیا کہ ہر گندگی اہلِ بیتؑ سے دُور رکھے، وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا تم کو یوں پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ چلیے اب تو بڑا مسئلہ صاف

ہو گیا کہ اب جو سینکڑوں فضائل سن کے بھی اہلِ بیتؑ سے دُور ہیں، یہ گندگی ہیں جو اہلِ بیتؑ سے دُور رکھے گئے ہیں۔ (صلوٰۃ)

بس اب ان شاء اللہ بیان کل آگے بڑھے گا، اس لیے کہ آج یہ مسئلہ طے ہو گیا کہ رسولؐ نے کیا انتظام کیا ہے ہماری ہدایت کے لیے اور ایک انتظام وہ تھا جو حالات نے ہونے نہ دیا، صرف ایک منٹ کے اندر ایک ایک جھلک، ایک انتظام وہ تھا جو ہونے نہ دیا لوگوں نے۔ میدانِ غدیر کا اعلان ہو گیا۔ حدیثِ ثقلین مسلمانوں کے مجمع میں بار بار ارشاد فرمائی۔ حدیثِ سفینہ، مسلمانوں کے مجمع میں بار بار ارشاد فرمائی، اور ایک انتظام وہ تھا جو ہو نہ سکا، اگر ہو جاتا تو آج اسلام کی قسمت کچھ اور ہوتی، کہ جب حضورؐ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں، کہ

اِئْتُونِیْ بِدَوَاتٍ وَقِرْطَاسٍ وَاَكْتُبُ لَكُمْ كِتَابِیْ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ

"میرے پاس کاغذ اور قلم لے آؤ، میں ایسی تمہارے لیے تحریر لکھ دوں کہ ہرگز گمراہ نہ ہو گے"۔

وَاحَسْرَتَا وَاوَیْلَا وَامُصِیبَتَا کہ سرورِ کائناتؐ وہ تحریر نہ لکھ سکے، اس سے بحث نہ کیجیے کہ کس نے منع کیا، لیکن جس نے منع کیا وہ ذمہ دار ہے صبحِ قیامت تک اُمت کی گمراہی کا، وہ ذمہ دار ہے جس نے نہیں لکھنے دی، وہ تحریر، اگر آج نوشتۂ رسولؐ، اُمت کے سامنے ہوتا ہے تو اُمت کے اندر اختلاف نہ ہوتے، بہتّر فرقے نہ ہوتے، ایک دوسرے کی تکفیر نہ کرتا، ایک دوسرے سے الگ نہ جاتا۔

اُمت ایک چٹان کی طرح سے ہوتی، شیر و شکر ہوتے سارے مسلمان، اور دنیا کی تقدیر کچھ اور ہوتی آج، اس اُمتِ مسلمہ میں اختلاف نہ ہوتا، اگر حضور سرورِ کائنات کی کوئی تحریر درمیان میں ہوتی، بہرحال یہ اہلِ بیتؑ وہ ہیں کہ طہارتیں جن

سے قریب، نجاستیں جن سے دُور ہیں، بھلا کیسے ممکن تھا کہ نجاست اپنا ہاتھ بڑھائے اور طہارت اس پر بیعت کرلے، بھلا کیسے ممکن تھا کہ ظلمت کے ہاتھ پر نور بیعت کرے، بھلا کیسے ممکن تھا کہ باطل کے ہاتھ پر حق بیعت کرے، بھلا کیسے ممکن تھا کہ شرک کے ہاتھ پر اسلام بیعت کرے، بھلا کیسے ممکن تھا کہ پستی کے ہاتھ پر بلندی بیعت کرے، بھلا کیسے ممکن تھا کہ شیطان کے ہاتھ پہ آدمؑ بیعت کرے، بھلا کیسے ممکن تھا کہ کفار کے ہاتھ پر نوحؑ بیعت کریں۔

بھلا کیسے ممکن تھا کہ نمرود کے ہاتھ پر ابراہیمؑ بیعت کریں، بھلا کیسے ممکن تھا کہ فرعون کے ہاتھ پر موسیٰؑ بیعت کریں، بھلا کیسے ممکن تھا کہ یہودیوں کے ہاتھ پر عیسیٰؑ بیعت کریں، بھلا کیسے ممکن تھا کہ ابوجہل کے ہاتھ پر محمدؐ بیعت کریں، بھلا کیسے ممکن تھا کہ یزید کے ہاتھ پر حسینؑ بیعت کرتے، ہدایت کو خطرہ تھا، ضلالت کو اپنی حکومت پہ ناز تھا، نبیؐ کے نواسے نے مسکرا کے کہا کہ گھبرانا نہیں، میں موجود ہوں، اسلام تم نہ ڈرنا، قرآن ساتھ میں ہے، میں موجود ہوں، ناناؐ نے جن دو محافظوں کے حوالے کیا ہے وہ حفاظت کریں گے، حسینؑ کربلا کے میدان میں آگئے، فوجوں پہ فوجیں آرہی ہیں، لشکر پہ لشکر آرہے ہیں، باطل اپنی طاقت بڑھاتا جارہا ہے، اس قدر نا سمجھ ہے یزید کہ حسینؑ کو طاقت سے ڈرا رہا ہے، کتنا نا سمجھ ہے، کیا خوب کہا ہے جوش ملیح آبادی نے کہ

اس کے آگے سطوتِ دنیا کا ذکر اور ابنِ سعد
کھیلتی ہے جس کی ٹھوکر تاجِ سلطان کے ساتھ

ارے جن کی ٹھوکریں تاجوں سے کھیلتی ہوں اس کے سامنے طاقت وقوت کا ذکر، فاتحِ خیبر کے لال کو اور فوجوں کی کثرت سے مرعوب کرنا، اُدھر وہ فوجیں بڑھاتا جاتا ہے اِدھر حسینؑ یہ اعلان کرتے جاتے ہیں کہ جس کا دل چاہے وہ مجھے

چھوڑ کر چلا جائے، میں کسی کو روکتا نہیں ہوں، یعنی اُدھر طاقت بڑھائی جارہی ہے ادھر طاقت گھٹائی جارہی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اسی عالم میں حسینؑ کے بچپن کا ایک چاہنے والا آیا۔ خیمے میں خبر گئی کہ حسینؑ کے بچپن کے دوست حبیب ابن مظاہرؓ آئے ہیں۔

ذکرِ مصائب!

شہزادی زینبؑ نے کہا: فضہ! جا کے حبیب کو میرا اسلام کہہ دے، حبیبؓ ابھی حاضری ہوئے تھے کہ خیمے سے باہر آئیں۔ فضہ کہتی ہیں: حبیبؓ مبارک ہو، جبرئیلؑ کی شہزادی، رسولؐ خدا کی نواسی، علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹی، جناب زینبؑ نے تم کو سلام کہا ہے۔ حبیبؓ نے یہ سنا تو منہ پیٹنے لگے، خاک سر پہ ڈالی زمین پہ گر کے تڑپنے لگے۔ کہا: اللہ اللہ! میں اس قابل کہ جناب زینبؑ اور مجھ کو سلام کریں، میری بھی یہ ہستی، میری بھی یہ حیثیت کہ رسولؐ خدا کی نواسی خاتونِ جنت کی بیٹی اور مجھ کو سلام کہے۔ حبیبؓ روتے جاتے تھے، تڑپتے جاتے تھے اور سر پہ خاک ڈالتے جاتے تھے، ہاں کیا کہنا ان اصحاب باوفا کا، جو آخر دموں تک حسینؑ سے جدا نہ ہوئے، یہی حبیب تھے جب ظہر کی نماز کا وقت آیا اور حصین ابن نمیر لعین نے گستاخی کی تو یہی حبیبؓ تھے جنھوں نے تلوار کھینچی اور تاریخ بتاتی ہے کہ جھپٹ کے وہ وار کیا ہے، کہ پہلے وار میں حصین ابن نمیر گھوڑے سے گرا تھا۔ دوسرے وار کی نوبت نہیں آئی، اُو بدکردار عورت کے بیٹے! کیا بکتا ہے اور یہ کہتے ہوئے فوج کے دریا میں کود پڑے اور جہاد کرتے رہے۔ حسینؑ نماز پڑھاتے رہے، حبیبؓ تلوار چلاتے رہے، نماز تو باشارہ پڑھ لی ہوگی، میدانِ جنگ میں بڑی رعایتیں ہیں، مگر میں کہوں گا حبیبؓ مبارک ہو، تم تو نمازِ عشق پڑھ رہے ہو، تمہاری تو نمازِ عشق ادا ہو رہی ہے۔

اُدھر حسینؑ کی نماز تمام ہوئی، تھوڑی دیر میں حبیبؓ کا جہاد تمام ہوا۔ آواز دی: مولاؑ! میری خبر لیجیے حسینؑ حبیبؓ کے سرہانے آئے۔ بچپن کے دوست کو خاک و خون میں نہایا ہوا پایا۔ حسینؑ کے اُوپر حبیبؓ کی شہادت کا بڑا اثر پڑا۔ حدیث میں ہے کہ

لَمَّا قُتِلَ حَبِيبٌ بَانَ الْإِنْكِسَارُ فِي وَجْهِ الْحُسَيْنِ.

"جب حبیبؓ شہید کر دیے گئے تو حسینؑ کے چہرے پر شکستگی نمایاں ہوگئی"۔

ہاں دوست کا غم بڑا شدید غم ہوتا ہے، مگر حسینؑ نے اپنے دوست کی میت کو اُٹھا کر گنجِ شہیداں میں پہنچا دیا۔

میں کہوں گا کیوں میرے مولاؑ، دوست کا غم بڑی چیز ہے کہ بھائی کا غم؟ ارے ابھی تو دوست کا غم اُٹھایا ہے۔ عصرِ عاشور آنے دیجیے، کبھی عباسؑ کے لاشے پر ماتم ہوگا، کبھی علی اکبرؑ کا لاشہ اُٹھانا ہوگا۔ کبھی علی اصغرؑ کی تربت بنے گی، کبھی سکینہؑ سے دامن چھڑایا جائے گا۔

اے حسینؑ! امتحان کی منزل تیز ہو رہی ہے، وقتِ شہادت آ رہا ہے۔

أَلَا لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

مجلسِ پنجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

ارشادِ جنابِ احدیت ہے کہ "یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔ سلسلۂ کلام ذہن عالی میں ہوگا۔ ہمارے آپ کے درمیان گفتگو تاریخ اسلام پر ۱۱ ہجری سے ۶۱ ہجری تک۔ کل کی مجلس میں مَیں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ حضور سرورِ کائناتؐ نے دنیا سے جاتے جاتے اپنی اُمت کو یہ بتایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب ہے، دوسرے میری عترت ہے، میرے اہلِ بیتؑ ہیں۔ جب تک ان کے دامن سے متمسک رہو گے، ہرگز ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ سرورِ کائنات تئیس برس تک اللہ کا پیغام پہنچا کے اور تریسٹھ سال تک اپنے کردار کے پاکیزہ نقوش اس دنیا میں چھوڑ کے دنیا سے جب رخصت ہوئے تو تاریخ یہ بتاتی ہے کہ علیؑ کے سینے پہ ان کا سر تھا۔ جب زندگی کے آخری لمحات آئے ہیں، اور وہ آفتابِ ہدایت وہ اللہ کا سب سے عظیم بندہ، وہ ہدایت کی سب سے بڑی طاقت، وہ کائنات کا سب سے بڑا نور، اور وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا سردار، جب دنیا سے رخصت ہونے لگا تو ملک الموت کے آنے سے پہلے جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور انھوں نے آن کے عرض کیا: خداوندِ عالم بعد تحفۂ درود و سلام ارشاد فرماتا ہے کہ

آپ کی مرضی کیا ہے؟ اس دنیا میں اور قیام کا ارادہ ہے یا عالمِ انوار کی طرف واپسی مقصود ہے۔

تو رسولؐ نے جواب دیا کہ میں خود واپسی کا مشتاق ہوں۔ جب اجازت مل گئی، جب ملک الموت آئے اور حضورؐ نے کہا: یا علیؑ! تم میرا سر اپنے سینے سے لگا لو۔ علیؑ نے سینے سے سر لگایا۔ ملک الموت نے حکمِ خدا انجام دیا، اور کائناتِ عالم میں اندھیرا ہو گیا۔ سرکارِ دو عالم مرسلِ اعظمؐ، عالمِ انوار کی طرف مراجعت فرما گئے اور کائنات میں صبح قیامت تک کے لیے اپنا دین چھوڑ گئے، کتاب چھوڑ گئے، اہلِ بیتؑ چھوڑ گئے، یہاں سے تاریخ آگے چلتی ہے، یہاں تک سب قافلے ساتھ ہیں۔ یہاں تک کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہاں تک اگر اختلافات ہیں تو دلوں کے اندر ہیں، زبان کے اُوپر نہیں۔ اگر کچھ فرق ہے تو وہ ظاہر نہیں ہو رہے ہیں، وہ اندرونی طور کے اُوپر ہیں۔

اب میرا بیان آگے بڑھے گا، اس لیے کہ اگر اب نہ آگے بڑھے گا تو کب آگے بڑھے گا۔ اب میرا بیان آگے بڑھے گا، اس لیے کہ اگر اب نہ آگے بڑھے گا تو کب آگے بڑھے گا۔ اب میں آپ سے خاص توجہ کا طالب ہوں، اور میں بار بار اس بات کو دہرا چکا ہوں کہ اب کی مرتبہ میرا موضوع جو ہے وہ ذرا مشکل اور بہت ہی سخت قسم کا، اور بہت ہی خطرناک میل کا ہے، لیکن میں ان شاء اللہ اس بات کی کوشش کروں گا کہ کسی کے دل کو ٹھیس لگائے بغیر تاریخ کا تجزیہ آپ کے سامنے پیش کر دوں اور اسے مکمل کر دوں، یہاں تک سب لوگ ساتھ تھے۔ حضورؐ سرورِ کائنات دنیا سے سدھارے اور آپ کے چاہنے والوں میں کہرام مچ گیا۔ ادھر بیٹی نے رونا شروع کیا، فدائیانِ رسالت کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے، اور مولا علیؑ کے ذمہ دُہری ذمہ داریاں تھیں، حضور سرورِ کائنات گلی سے یہ فرما گئے تھے کہ یا علیؑ! تمہیں مجھے غسل

دینا، تمہیں مجھے کفن پہنانا، تمہیں مجھے دفن کرنا۔ یا علیؑ! میرے پیراہن میں مجھے غسل دینا، وقتِ غسل میرا پیراہن جسم سے جدا نہ کرنا۔ یا علیؑ تمہارے علاوہ عباس، فضل، اور یہ لوگ حاضر رہیں گے۔ غسل میں تمہاری مدد کرنے کے واسطے، لیکن ان کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی رہیں اس لیے کہ وقتِ غسل سوائے تمہارے جو میرے جسم کے اُوپر نظر ڈالے گا، اس کی بصارت اسی وقت زائل ہو جائے گی اور وہ نابینا ہو جائے گا، لہٰذا یا علیؑ صرف تمہاری آنکھیں کھلی رہیں گی اور کسی کی آنکھیں کھلی نہ رہیں گی۔

لہٰذا انسان اگر آنکھیں بند بھی کرلے تو ہو سکتا ہے دھوکے سے بھولے سے آنکھیں کھل جائیں، لہٰذا آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی جائیں تاکہ ان کی آنکھیں کھلنے نہ پائیں۔

چنانچہ حضورؐ سرورِ کائنات کا غسل اس عالم میں شروع ہوا ہے کہ علیؑ روتے جاتے تھے اور رسولؐ کو غسل دیتے جاتے تھے۔ صرف علیؑ کی آنکھیں کھلی تھیں۔ عباس، فضل کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں کہ ایسا نہ ہو، جسمِ رسالتؐ پر ان کی نظر پڑے اور ان کی بصارت زائل ہو جائے، اس کے اندر کیا راز تھا، یہ میں بتا نہیں سکتا، لیکن میرا دل کہتا ہے کہ شاید تابش انوار اتنی تیز ہو کہ جو اسی نور کا ٹکڑا ہو وہ تو دیکھ سکتا ہے ورنہ کوئی دیکھ بھی نہیں سکتا۔۔۔۔۔ (صلواۃ)

سرورِ کائناتؐ دنیا سے رخصت ہوئے اور مولا علیؑ نے مطابقِ وصیت غسل دیا، مطابقِ وصیت کفن پہنایا، جبرئیل امینؑ کافور جنت لے کر حاضر ہوئے، علیؑ نے کافور جنت سے اعضائے سجدہ پر حنوط کیا، اور اس کے بعد مولا علیؑ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، اور پھر اس رہبرِ اعظم کی میت مولا علیؑ نے ہاتھوں پر لے کر قبر میں اُتاری اور تاریخ بتاتی ہے کہ علیؑ روتے تو جاتے تھے، پورے غسل بھر اور اس پورے موقع پر مولا علیؑ روتے رہے، مگر نہ جانے دل میں کیا گزری نہ جانے قبر کی کیا کیفیت ہوئی کہ جب

میت رسول کو قبر کی زمین پر رکھا ہے تو علیؑ کا دامن صبر ہاتھوں سے چھوٹ گیا، اور بلند آواز سے رونا شروع کیا، مولا علیؑ کے رونے کی فضاؤں میں آواز گونجی اور فدائیانِ رسالتؐ کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ وہ نور، وہ رہبر، وہ پیشوا ہمیشہ کے لیے اس عالم سے بظاہر رخصت ہوگیا۔ اس کا نام فضاؤں میں گونجے گا، اس کا نام کلمے میں رہے گا، اس کا نام اذان میں سنا جائے گا، اس لیے کہ اللہ نے اس سے اس کے ذکر بلند کرنے کا وعدہ کیا ہے، اور اللہ نے کہا کہ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ تو اللہ نے جس کے ذکر کو بلند کیا، اس کا ذکر اتنا بلند ہے کہ منارے کے اُوپر مسجد میں جہاں خدا کا ذکر ہوتا ہے وہیں محمدؐ کا نام بھی لیا جاتا ہے ــــــ (صلواۃ)

سرور کائناتؐ دنیا سے رخصت ہوگئے، اور تاریخ اسلام کے اندر اختلافات کے دروازے کھل گئے مجھے کچھ پڑھنا ہے، اور کچھ نہیں پڑھنا ہے، جو پڑھنا ہے وہ آپ کو سناؤں گا، جو نہیں پڑھنا ہے، اس کے حوالے دوں گا، اور گزر جاؤں گا۔ ان منزلوں سے صرف اشارہ کرتا ہوا، یہیں سے اختلاف ہوگیا، کچھ لوگوں نے یہ طے کیا کہ حضورؐ کے بعد کے لوگوں کے لیے کیا انتظام ہو؟ اور انھوں نے اپنے طور پر انتظام کیا، کچھ لوگوں نے مولا علیؑ کو اپنا رہبر تسلیم کیا، اور رسولؐ جن اہلِ بیتؑ کے ساتھ کر کے گئے تھے، انھوں نے ان کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ یہیں سے اسلام کی تاریخ میں، یہیں سے قرآن کی تفسیر میں، یہیں سے حدیث کی وضاحت میں، یہیں سے تمام معاملوں میں اختلافات اسلام میں رونما ہونا شروع ہوئے، اور یہیں سے راستے جو تھے وہ الگ الگ ہونے لگے۔

عزیزانِ گرامی ـــــ!

تاریخ کے اس لمحہ کو بہت توجہ سے سماعت فرمایئے گا کہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ مولا علیؑ نے اس پورے دور میں اسلام کی خدمت کی، مولا علیؑ نے اس پورے دور میں

اسلام کو سہارا دیا، اس کی شکل وصورت کیا تھی؟ یہ میں آپ کی خدمت میں عرض کروں کہ پچیس سال علیؑ اقتدار سے اور اقتدار علیؑ سے الگ رہے۔ میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں اس کو صاحبانِ فہم کا مجمع سمجھ رہا ہے۔ پچیس سال علیؑ اقتدار سے اور اقتدار علیؑ سے الگ رہے، لیکن تاریخ یہ بتاتی ہے کہ علیؑ نے اپنے مسلک کو ایک لمحے کے لیے بھی تبدیل نہیں کیا۔ سرور کائناتؐ کے بعد جب علیؑ نے یہ دیکھا کہ مدینے کی اکثریت ان کے ساتھ دینے پر تیار نہیں ہے تو اس وقت اگر علیؑ تلوار لے کے مقابلہ کرتے تو ساری دنیا میں جہاں جہاں نیا اسلام پہنچ گیا تھا ان کے دل اسلام سے کھٹے ہو جاتے، اور وہ یہ کہتے کہ محمدؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی ان کے پہلو میں بیٹھنے والوں میں اقتدار کی لڑائی شروع ہوگئی، لہٰذا یہ مذہب الٰہی مذہب نہیں بلکہ اقتدار کی ہوس کا مذہب ہے۔ لہٰذا علیؑ نے خاموش بیٹھ کر اپنے گھر میں قرآن جمع کرنا شروع کیا۔

توجہ سے سنئے گا ___ عزیزانِ گرامی!

علیؑ جمع قرآن میں مشغول ہوئے، لیکن کس طرح قرآن جمع کرنے میں مشغول ہوئے، گھر کا دروازہ بند کیا اور قرآن جمع کرنا شروع کیا۔ جب کوئی کہتا تھا علیؑ گھر سے باہر نکلو، کہا: نہیں میں قرآن جمع کر رہا ہوں، میں گھر سے باہر نہیں نکل سکتا۔ جب آدمی کوئی شے جمع کرتا ہے تو اگر باہر سے لا کر جمع کر رہا ہے تو گھر کا دروازہ کھولنا پڑے گا، اگر گھر کے اندر ہے سب سامان تو گھر کا دروازہ بند کرے گا۔

تاریخ لکھتی ہے کہ علیؑ نے گھر کا دروازہ بند کر کے قرآن جمع کرنا شروع کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ کُل قرآن علیؑ کے گھر میں موجود تھا جبھی تو گھر کا دروازہ بند کر کے قرآن جمع کر رہے تھے ___ (صلوٰۃ)

سنئے گا اور تھوڑے دنوں کے بعد وہ قرآن جو مطابقِ تنزیل تھا، یعنی جس طرح اترا تھا اس ترتیب سے مسجد نبویؐ میں لے کے گئے اور پیش کیا کہ یہ ہے قرآن۔ کہا

ہمیں نہیں چاہیے واپس لے آئے اور کہا: اب تم اسے دیکھو گے بھی نہیں میرے قائمؑ کے ظہور تک آج دنیا ہمارے اُوپر الزام رکھتی ہے کہ ہم قائل نہیں ہیں قرآن کے، سنئے آپ اس بات کو کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ نے قرآن کے اُوپر وہ احسان کیا ہے کہ جب تک قرآن رہے گا جب تک احسانِ علیؑ رہے گا۔ لوگ کہتے ہیں کہ علیؑ نے اپنے دورِ اقتدار میں قرآن کیوں نہ بدل دیا۔ اگر علیؑ اپنے دورِ اقتدار میں قرآن بدل دیتے تو بنی اُمیہ اور بنی عباس کے سلطان اپنے اپنے دورِ اقتدار میں ہمیشہ قرآن بدلوایا کرتے، اور اسلام میں بھی کئی قرآن ہوتے جیسے کرسچین میں کئی بائبلیں ہیں۔ یہ علیؑ کا قرآن پر احسان ہے کہ آج تک مسلمان ایک قرآن لیے ہیں ـــــ (صلواۃ)

ہم نہ قرآن کی تحریف کے قائل ہیں، نہ قرآن کے ردّ و بدل کے قائل ہیں، نہ قرآن میں کمی وزیادتی کے قائل ہیں، یہ وہی کلامِ خدا ہے جو حضورؐ پہ نازل ہوا، مگر ایک بات کے سب مسلمان قائل ہیں کہ یہ قرآن جو ہمارے آپ کے ہاتھ میں ہے، یہ اس آلڈر میں نہیں ہے جس آلڈر میں نازل ہوا تھا۔ اور اگر کوئی اس کا دعویٰ کرتا ہو کہ یہ اس آلڈر میں ہے تو وہ اپنے نام و پتے سے مجھے مطلع کرے۔ یہ وہی ہے جو کلامِ خدا ہے، اس میں نہ کمی ہے نہ زیادتی ہے۔ سب کچھ وہی ہے جو رسولؐ پہ نازل ہوا، مگر اس آلڈر میں نہیں ہے جس آلڈر میں اُترا ہے۔

اس لیے کہ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ کی جو آیت ہے پہلے ہونا چاہیے تھی، وہ آخر میں ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ بالکل آخر میں ہونا چاہیے تھا وہ چھٹے پارے میں، یہ کیا ہے؟

اس کو یوں سمجھ لیجیے آپ، میں اس بات کو مثال دے کے سمجھاتا ہوں، کہ ایک کتاب پانچ سو صفحات کی ہے۔ تو ایک شکل تو یہ ہے کہ جب آپ نے کتاب کھولی تو پہلا ورق دوسرا، تیسرا، چوتھا یہاں تک کہ سو دوسو، تین سو، چار سو، پانچ سو۔

اور ایک شکل یہ ہے کہ ایک کتاب پانچ سو صفحوں کی تو ہے اور پورے پانچ سو صفحات ہیں بھی دو دفتیوں کے بیچ میں، نہ کمی ہے اس کے اندر کوئی، نہ زیادتی ہے کوئی، پورے ہیں، نہ اس میں بڑھایا گیا ہے اور نہ اس کا کوئی صفحہ غائب ہوا ہے، مگر مشکل یہ ہے کہ پہلا صفحہ دو سو چھبیس، دو سو پندرہ، سترہ، انیس، اکیاون، اس شکل میں وہ کتاب آ گئی، اس کے تمام مسلمان قائل ہیں کہ یہ قرآن جو ہمارے پاس ہے یہ مطابق تنزیل نہیں ہے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ جس مدینے میں صحابہ کرام موجود تھے، امن و امان کا عالم تھا، ایسی کون سی مجبوری ہو گئی جو قرآن مطابق تنزیل جمع نہ ہو سکا؟ یہ تو اس صورت میں ہوتا کہ خدا نہ کرے، خدا نہ کرے کسی گھر میں کتاب رکھی ہوئی ہے۔ کچھ ورق اِدھر رکھے ہیں، کچھ ورق اُدھر رکھے ہیں، خدا نہ کرے اس گھر میں آگ لگ جائے تو ہم نے جلدی جلدی بٹور لیے ورق، اور کتاب لپیٹ کے نکل بھاگے کہ کہیں سب جل جائے یہ کتاب تو بچ جائے۔ یہ تو اس وقت جو ترتیب قرآن ہے اس سے یہ پتہ لگ رہا ہے کہ گھبراہٹ کے عالم میں جمع کیا گیا ہے۔ اس بات کو علماء سے پوچھئے اگر جو میں پڑھ رہا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس مجمع میں چھوٹے بچے کے علاوہ جو بھی سمجھ دار ہے وہ پہلے سے واقف ہوگا۔ وہ جانتے ہیں اس بات کو کہ یہ قرآن پاک مطابق تنزیل نہیں ہے، مطابق تنزیل نہ ہونے کے سبب بہت سی باتیں سمجھنے میں ہمیں دشواری ہوتی ہے، اس کا سکوئنس جو ہے وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا ہے، کون سی آیت ناسخ ہے، کون سی منسوخ ہے، منسوخ بعد میں ہے ناسخ پہلے ہے، اس طریقے سے اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر ہے، تو یہ پریشانی ہوتی ہے تو کم سے کم دامنِ علیؑ چھوڑ دینے کا ایک نقصان جو آپ کو ماننا ہی پڑے گا کہ آپ کے ہاتھ میں جو کتاب ہے وہ مطابق تنزیل نہیں ہے۔

میں آپ کی خدمت میں عرض کروں کہ علیؑ گھر میں رہے۔ اس کے باوجود

بھی مختلف معاملات میں علیؑ تاریخ کے سامنے آتے ہیں۔ ان کو اس نظام سے اتفاق نہیں تھا جو رسولؐ کے بعد قائم ہوا، اس کے واسطے علماء نے بڑے زور لگائے ہیں، اور بڑی کوششیں کی ہیں، اور بڑی کتابیں لکھی ہیں، اس بات کے اُوپر کہ یہ صرف لڑانے والے مولویوں کی دماغ کی اُپج ہے کہ علیؑ کو اپنے زمانے کے نظام سے اختلاف تھا، جبکہ دوسرے بزرگانِ اسلام آپس میں بڑے شیر و شکر تھے اور ان میں آپس میں بڑی محبت تھی، بڑے اتحاد تھے، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ علیؑ ہر موقع پر آئے اور اگر علیؑ کو اختلاف ہوتا تو کیوں آتے؟ اور علیؑ نے مشورے دیئے، اگر علیؑ کو اختلاف ہوتا تو علیؑ مشورے کیوں دیتے، علیؑ کی رائے تاریخ کے اندر محفوظ ہے۔ اگر علیؑ کو اختلاف ہوتا تو علیؑ رائے دینے کیوں آتے؟ تو میں ان تمام باتوں کو صحیح مانتا ہوں۔

بالکل صحیح کہ علیؑ آئے، بالکل صحیح کہ علیؑ نے مشورے دیئے، بالکل صحیح کہ علیؑ نے مخلصانہ رائیں دیں، میں ان واقعات سے انکار نہیں کرتا، لیکن اس کی نوعیت کو دوسرے انداز میں سوچتا ہوں۔ ایک ہوتی ہے شخصیت، ایک ہوتا ہے نظام، یہ ممکن ہے کہ شخصیت سے اختلاف ہو، نظام سے اختلاف نہ ہو۔ مولا علیؑ نے پچیس برس تک اپنے کردار کا یہ کمال دکھایا کہ جہاں تک شخصیتیں تھیں ان میں اتحاد کو مرنے نہ دیا، جہاں نظام تھا اُسے بگڑنے نہ دیا۔ چنانچہ جگہ جگہ علیؑ نے بڑھ کے رائیں دیں، تو جہاں جہاں ذات کا سوال تھا علیؑ نے اختلاف کیا۔۔۔۔ (صلوٰۃ)

چنانچہ علیؑ نے اسلام کی بقا کے لیے اپنے مشورے دیئے، یعنی جب اسلام خطرے میں آیا تو علیؑ بولے، اور جہاں ذات اور شخصیت کا مسئلہ آیا وہاں اختلاف کیا۔ کیا اختلافات تھے، کیا صورتیں تھیں؟ اس کو اپنے منہ سے نہ کہوں گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بچا کے چلوں گا۔ ہم اس مجلس کے ذریعہ کسی کے دل کو ٹھیس نہ لگنے دیں گے، اس لیے کہ ہم خود دل شکستہ ہیں، کسی کے دل کو ٹھیس لگا کے ہم کیا کریں گے، ہم

خود غم منانے کے لیے بیٹھے ہیں۔ علیؑ نے بعد رسول کیا کہا۔ اگر میں یہ اپنی زبان سے پڑھوں گا تو جھگڑا ہوگا۔

لہٰذا نہج البلاغہ اُٹھایئے اور خطبہ شقشقیہ اُٹھا کے پڑھیے۔ اس کو پڑھ کے خود ہی سمجھ میں آجائے گا کہ علیؑ کیا کہہ رہے ہیں۔ صرف ایک جملہ علیؑ کی زبان کا خالی ادا کر کے آگے بڑھ جاؤں۔ یہ علیؑ نے اس دور کی تصویر کشی کیوں کی ہے کہ میں نے یوں زندگی گزاری ہے کہ میں نے یوں زندگی گزاری ہے کہ ایسا لگتا تھا کہ جیسے آنکھ میں تنکا پڑ گیا ہو۔

اس طریقے سے علیؑ نے پچیس سال کی زندگی گزاری، اور دنیا نے اُس دور میں اہلبیت طیبین وطاہرین کی طرف اگر توجہ کی تو علمی مشکلات میں، اور علمی گتھیاں علیؑ نے حل کیں تو عزیزان گرامی سنیے گا کہ تاریخ بتاتی ہے کہ اس دور میں جب علمی معاملات آئے تو در حیدر کرار پر آئے لوگ، سلمانؓ کے دروازے پر آئے۔ انھوں نے علیؑ کے دروازے پر پہنچا دیا۔ ابوذرؓ کے دروازے پر آئے انھوں نے علیؑ کے پاس پہنچا دیا۔ مقدادؓ کے دروازے پر آئے انھوں نے علیؑ کے پاس پہنچا دیا۔ عمارؓ کے دروازے پر آئے انھوں نے علیؑ کے پاس پہنچا دیا۔ ازواج کے دروازے پر آئے انھوں نے کسی کے ذریعہ اشارے سے پہنچا دیا کہ ہم جائیں گے نہیں، مگر اس دروازے پر مشکل حل ہوتی ہے، اور اس کے آگے جہاں دست و بازو حکومت واقتدار چل رہا تھا، وہ بھی کبھی کبھی اپنی مشکلیں لیے ہوئے در علیؑ پر آئے، اور کیا کہنا اس فراخ دل انسان کا جس کا نام علیؑ تھا۔ ہمیشہ ہر مشکل، مشکل کشاء کے دروازے سے حل ہوئی، اور بہر حال بڑوں کی بڑی بات، بزرگوں کی بات بھی بزرگ، وہ لوگ، اس زمانے کے لوگ تھے، کہہ دیا کرتے تھے سچی بات کبھی کبھی، ادھر مشکل علیؑ نے حل کی تو کہنے والے نے یہ بھی کہا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔ یہ جملہ نہیں ہے،

یہ قیامت تک کی کہ اُمت مسلمہ کے لیے ایک سبق ہے کہ جس نے علیؑ کو چھوڑا وہ ہلاک ہوا ـــــ (صلوٰۃ)

ایک کے بعد ایک دور گزرتا رہا اور علیؑ علمی خدمات میں مشغول رہے۔ کبھی مسجد نبویؐ کے گوشے میں بیٹھ کے، کبھی کسی باغ میں بیٹھ کے، کبھی کسی قریے میں بیٹھ کے، علیؑ کے گرد ایک حلقہ رہا علیؑ کے شاگردوں کا، علیؑ کے گرد ایک حلقہ رہا سیکھنے والوں کا، جن کو علیؑ علوم اسلام کی تعلیم دیتے رہے۔

عزیزانِ گرامی ـــــ!

یہ سبجیکٹ تفصیل سے دو گھنٹے میں پڑھنے کا ہے، لیکن میں اسے دو منٹ میں پیش کروں کہ اسلام جس وقت آیا ہے اس وقت مکہ مدینہ ان کے پاس کوئی علم نہیں تھا، دور جاہلیت کہلاتا تھا۔ اسلام آیا علم لیے ہوئے، جن عربوں کے پاس علم کا کوئی سرمایہ نہیں تھا، سو برس کے بعد جب زمانہ بدلا ہے تو اسلامی علوم وفنون کے سیلاب آرہے تھے دنیا میں، یہ علم کہاں سے آیا، یہ علم کس کے پاس سے آگئے؟ آپ کو پتہ ہو نہ ہو، لیکن کارلائل نے لکھا ہے کہ "جس وقت مسلمان فتوحات ملکی میں مشغول تھے، اس وقت علیؑ مسجد النبیؐ کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے علمی دنیا خلق کر رہے تھے"۔

غور فرمایا آپ نے ـــــ؟

مولا علیؑ ایک علمی دنیا کی تخلیق کر رہے تھے، اس لیے کہ علیؑ یہ جانتے تھے کہ اقتدار چند روزہ ہے، علم ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے، اقتدار فنا ہو جاتا ہے، علم باقی رہتا ہے، کائنات کی وجہ بقا علم میں ہے، دنیا کی ترقیوں کا راز علم میں ہے، کائنات کا عروج علم میں ہے، شہروں کی روشنی علم ہے، انسان کا افتخار علم ہے، آزادی علم ہے، شفا علم ہے، کمال علم ہے۔ علم اگر چپ رہے تو قرآن کہلاتا ہے۔ بولے تو اہل بیتؑ بن جاتا ہے ـــــ (صلوٰۃ)

اور مجھے یہیں پر اپنی قوم کے نوجوانوں سے اور بچوں سے کہنا ہے کہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرو۔ اگر زندہ رہنا چاہتے ہیں، اگر اپنا تقدس برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ آپ اگر اپنی ذات اور اپنا وجود باقی رکھنا چاہتے ہیں تو علم کے سہارے زندہ رہیے۔ اگر آپ کے پاس علم ہے تو دنیا آپ کے زیر نگیں ہوگی، اور اگر آپ علم کی دولت سے محروم رہ گئے تو محکومی آپ کا حصہ بنے گی اور غلامی آپ کا مقدر بنے گی، میں علیؑ کے نام سے اپیل کرتا ہوں۔ بچوں سے نوجوانوں سے کہ علم حاصل کرو اور علم میں ترقی کرو، اس لیے کہ علم علیؑ کی میراث ہے، جہالت دشمنانِ علیؑ کی میراث ہے، ایسا نہ ہو کہ ہمارے گھر کی تلاشی لی جائے تو ہیں تو ہم علیؑ والے، اور مال نکلے گھر سے، دشمنانِ علیؑ کا۔

اگر آپ کو اس ملک میں جینا ہے تو اپنے علم کے زور پر زندہ رہیے۔ اگر آپ کو ترقی کرنا ہے تو بھول جائیے یہ باتیں کہ تعصب ہوتا ہے اور اختلاف ہوتا ہے۔ اگر کسی علم میں خصوصی مہارت پیدا کرلیں، تو تعصب کی دیواریں گر جائیں گی۔ اگر بمبئی میں کسی فن کے اکیلے آپ جاننے والے ہیں۔ جب میں جانوں کہ نہ آئے آدمی آپ کے پاس تعصب میں، جب میں جانوں کہ تعصب میں نہ آئے آدمی آپ کے پاس، سارے تعصب ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر علمی طاقت بلند ہو جاتی ہے، علیؑ کے پاس جو پوچھنے آتے تھے وہ سب علیؑ کے چاہنے والے تھوڑے ہی تھے، آپ مجبور بن کے نہ زندہ رہیے۔ اگر آپ کو زندہ رہنا ہے تو آپ اپنے کو دوسروں کی مجبوری بنائیے۔ کاش میری آواز دلوں پر اثر کرے، کاش یہ میری صدا دُور تک پہنچے۔ ہماری قوم میں جو یہ معیار گر رہا ہے، جو کوالٹی نیچے جارہی ہے، یہ بڑے غضب کی بات ہے، یہ بڑے درد کا مقام ہے، اتنا بڑا یہ معاشرہ محبانِ اہلِ بیتؑ کا پورے ہندوستان میں، عملی معیار میں ہم پیچھے جارہے ہیں، اپنے اندر صفات اہلِ بیتؑ کے جوہر پیدا کیے، اپنے اندر علیؑ

اور اولادِ علیؑ کی غلامی کی تاثیر پیدا کیجیے، اپنے کردار کو سنبھالیے، اپنے کو علمی میدان میں اُوپر اٹھایئے۔ ساری مخالفتوں کی دیواریں کچی ریت کی طرح گر جائیں گی۔

میرے دوستو.........!

مولا علیؑ کے دَر پر آتے تھے علم کی پیاس بجھانے کے لیے لوگ، اور آن کے سیراب ہو کے چلے جاتے تھے، اور آج تک علیؑ مجبوری بنے ہوئے ہیں عالمِ اسلام کی۔ بس آج کا بیان یہیں پر تمام ہو رہا ہے کل بیان یہیں سے آگے بڑھے گا۔ آج کا بیان اسی منزل پہ رُکے گا، کل بیان آگے بڑھے گا۔ ایک آخری جملے کے ساتھ، جو آخری جملہ آج کے پورے بیان کا خلاصہ ہے، میں کیا بتاؤں کہ میں اپنے مزاج سے بھی مجبور ہوں، اور میرا وعدہ بھی یہ ہے کہ آبگینوں کو ٹھیس نہ لگے۔

لہٰذا میں جس انداز سے پڑھ رہا ہوں اس کو آپ جانتے ہیں، لیکن عزیزانِ گرامی! علیؑ عالمِ اسلام کی مجبوری ہیں، اسی لیے ہر عالم آج یہ لکھتا ہے کہ علیؑ سے ان کے دور کے لوگوں کا کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اب ذرا فرق ملاحظہ کیجیے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ تھا، وہ یہ کہتے ہیں نہیں۔ اگر وہ ہماری مجبوری ہوتے تو ہم کہتے نہیں تھا۔ (صلوٰۃ)

ذات اتنی بلند ہوگئی کہ اب وہ تاریخ اسلام اور عالمِ اسلام کی مجبوری بن گئی کہ جب تک علیؑ نہ لکھو فہرست مکمل نہ ہوگی۔ نہ فہرست خلافت مکمل، نہ فہرست امامت مکمل، نہ فہرست صحابت مکمل ہوگی، نہ فہرست علماء مکمل جب تک علیؑ کا نام نہ آئے تاریخ اسلام بھی نامکمل۔ (صلوٰۃ)

یہ تھے علیؑ جنھوں نے راہِ خدا میں ہر قربانی دی، اپنا مال بھی دیا، اپنی جان بھی دی، اپنی اولاد بھی دی اور خدا کی قسم! جب تک اسلام رہے گا جب تک نسلِ علیؑ کا احسان رہے گا کہ اولادِ علیؑ نے یزیدیت کے سیلاب سے اسلام کو بچا لیا۔ طاغوتیت کے طوفان سے اسلام کو بچا لیا۔ احسانِ علیؑ ہے، احسانِ اولادِ علیؑ ہے۔

ذکرِ مصائب!

عزیزانِ گرامی ـــــــ!

مذہب کے نام پر عیش کرنا سب جانتے ہیں، مذہب کے نام پر سر کٹانے کتنے نکلتے ہیں، حسینؑ سمجھا بجھا کے لا رہے تھے اپنے ساتھیوں کو، ہم کسی بھیڑ میں ہوں اور فائرنگ ہو جائے یہ بات اور ہے، اور پہلے سے اعلان ہو کہ جو آئے گا اس پر فائرنگ ہوگی، اور اس کے بعد بھی ہم چلے جائیں یہ بہت مشکل ہے۔ دیکھئے جان دینے کے بھی انداز ہوتے ہیں، ہم یہ سمجھ کے جا رہے تھے کہ ماحول پُر امن ہے، خطرہ خاص نہیں ہے، وہاں حالات ایسے تھے کہ گولی چل گئی اور ہم بھی گولی کھا کے شہید ہو گئے، مگر یہ شہادت واقعی شہادت نہیں ہے، اس لیے کہ ہم بچنا چاہتے تھے گولی نے ہمیں چھوڑا نہیں۔ اب یوں تو شہید کہہ لیجیے ہمیں مگر واقعی یہ شہادت نہیں ہے۔ شہادت محمدؐ کے گھرانے کا طرۂ امتیاز ہے، جہاں میدان میں اتنی دیر ٹھہرے کہ موت گلے سے لگ جائے، جو نیزہ و شمشیر پر صبر کرسکتا ہو وہ چلے، جو اپنی موت کو گلے لگا سکتا ہو وہ چلے، اور چاہنے والے ساتھ نہیں چھوڑ رہے ہیں، تین دن کی بھوک، کسی کی تیوری پر بل نہیں، تین دن کی پیاس کسی کی آنکھ میں میل نہیں، بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر چھوٹے بچے ساتھ میں نہ ہوتے تو شاید تین دن کی پیاس کا راز بھی نہ کھلتا، اس لیے حبیبؓ یہ نہ کہتے کہ میں پیاسا ہوں، مسلمؓ یہ نہ کہتے کہ میں پیاسا ہوں، زہیرؓ یہ نہ کہتے کہ مجھے پیاس لگی ہے، عباسؑ نہ کہتے کہ میں پیاسا ہوں۔ یہ تو چھوٹے چھوٹے بچے تھے جو ہاتھوں میں سوکھے ساغر لیے ہوئے العطش، ہائے پیاس اور دشمن اس قدر بے غیرت کہ ادھر تاریخ میں لکھا ہے کہ بچے ریت پر گر کے تڑپتے تھے پیاس کے مارے، زمین پر گرے اور تڑپنے لگے پیاس کی شدت سے اور ادھر ظالم دشمن، بڑے

بڑے پیالوں میں پانی بھرے ہوئے، آہستہ آہستہ زمین پر گراتا تھا، دکھا دکھا کے، اور پکار کے کہتے تھے کہ "حسینؑ! بیعت یزید کرلو تو یہ پانی تمھیں دے دیں"۔

حسینؑ پر تو کیا اثر ہوتا، حسینؑ کے ساتھیوں پر تو کیا اثر ہوتا، بنی ہاشم کے شہزادوں پر تو کیا اثر ہوتا سیدانیوں پر تو کیا اثر ہوتا، مذہب بدل دوں اگر آپ دکھا دیں کہیں، کہ کسی بچے نے بھی کہا ہو کہ مولا بہت پیاسے ہیں بیعت کر لیجیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بچہ بچہ حسینؑ کے مقصد سے واقف تھا۔ عاشور کی رات آ گئی۔ حسینؑ نے اپنے خیمے میں سب کو جمع کیا، کہا: میں تمہاری گردنوں سے اپنی بیعت اُٹھائے لیتا ہوں، اپنی بیعت اُٹھاتا ہوں تمہاری گردنوں سے، جہاں دل چاہے چلے جاؤ۔ یہ میرے سر کے طالب ہیں، جب مجھ کو پائیں گے اپنے درمیان اور تمھیں جاتا دیکھیں گے تو دب دب کے راستے دے دیں گے۔ تم چلے جاؤ۔ اس کے بعد کہا: اچھا اگر تمھیں سامنے سے جاتے ہوئے شرم آ رہی ہے تو لو میں اندھیرا کیے دیتا ہوں، یہ کہہ کے شمع بجھا دی۔ ایمان کی روشنی کچھ اور تیز ہوئی، اندھیرے میں آوازیں گونجیں، پہلی آواز یابن رسولؐ اللہ! اگر ہمارا جسم قینچی سے مہین مہین کاٹا جائے، اس کا نام ہے فصاحتِ عرب، تلوار سے کٹنے میں وہ تکلیف کا تصور نہیں جو قینچی سے کاٹے جانے میں ہے۔ اگر ہمارا جسم قینچی سے مہین مہین کاٹا جائے اور جلا دیا جائے، خاک ہوا میں اُڑا دی جائے، پھر زندہ کیا جائے، پھر یہی سلوک ہو اور یہ عمل ستر بار ہو اور اکہتر ہویں بار زندہ کر کے ہم سے پوچھا جائے کہ کس کا ساتھ دو گے تو پھر آپ کا ساتھ دیں گے۔ لوگوں نے آواز پہچانی، یہ آواز زہیر قینؓ کی تھی، دوسری آواز گونجی: یابن رسولؐ اللہ! اگر ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں تو ہم رسولؐ اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے؟

جواب سے پرانے تعلقات کی خوشبو آ رہی تھی۔ لوگوں نے پہچانا یہ آواز حبیب ابن مظاہرؓ کی تھی۔ تیسری آواز آئی: یابن رسولؐ اللہ! یہ زندگی چند روزہ ہے،

اگر ہمیشہ کی بھی زندگی لائے ہوتے تو آپ پر قربان کرتے۔ لوگوں نے پہچانا یہ آواز مسلمؑ ابن عوسجہ کی تھی۔ چوتھی آواز گونجی: یابن رسولؐ اللہ! اگر آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں خدا کرے صحرا کے جانور ہمیں پھاڑ کے کھا جائیں، زندہ اپنے گھروں کو نہ پہنچیں یہ آواز جونؓ غلام حبشی کی آواز تھی۔ چند سیکنڈ کے لیے سناٹا چھایا، اور ایک آواز گونجی صحرا میں، اے ہمارے آقا! اے ہمارے سید! آپؑ کے سائے میں ہم پلے ہیں، آپؑ نے ہمیں پالا پوسا ہے، کیا اس مصیبت میں ہم آپ کو چھوڑ کے چلے جائیں گے۔ مجمع نے پہچانا یہ آواز قمر بنی ہاشم حضرت عباسؑ کی آواز تھی۔

بس عزیزو......!

میں نے مجلس تمام کر دی، شب عاشور جو نصرت کے وعدے کر رہے تھے، روز عاشور گردنیں کٹائے سو رہے تھے، حسینؑ پکار رہے تھے: اے حبیبؓ! اے زُہیرؓ! اے مسلمؓ! بس، اے آخری استغاثہ بڑے غضب کا تھا، اِک مرتبہ کلیجہ تھام کے آواز دی:

اَیْنَ اَیْنَ الْوَلَدِی عَلِی اَکْبَر

"اے میرے بیٹے علی اکبرؑ!"

اور جب کوئی جواب نہ ملا تو دریا کو دیکھا:

اَیْنَ اَیْنَ اَخِی عَبَّاس

"اے میرے بھیا! اے میرے عباسؑ!

اے مرے بازو کی طاقت عباسؑ! کہاں چلے گئے عباسؑ! حسینؑ تمہیں پکار رہا ہے"۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

مجلسِ ششم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

ارشاد باری اقدس ہے کہ "یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔ سلسلۂ کلام ذہن عالی میں ہوگا۔ ہمارے آپ کے درمیان جس گفتگو کا سلسلہ جاری ہے وہ یہ ہے کہ تاریخ اسلام کا ایک مطالعہ اور سروے ۱۱ ہجری سے ۶۱ ہجری تک۔ تاریخ اسلام کی یہ بڑی بدنصیبی ہے کہ سرور کائنات کی رحلت کے بعد ان کے اہلِ بیتؑ کی عزت و عظمت میں فرق آ گیا، اور وہ عزت و عظمت جس میں اہلِ بیتؑ قرآن کی روشنی میں، حدیث رسول کی روشنی میں، اپنے ذاتی کردار کی روشنی میں جس عزت و عظمت کے مستحق تھے اس عزت و عظمت سے وہ محروم رکھے گئے۔ اس دور کی تاریخ کی اِک عظیم بدنصیبی یہ بھی ہے کہ رسول کی صاحبزادی جناب فاطمہ زہراؑ رسولؐ کے بعد ایک دن بھی خوش نہ رہیں اور وہ اس دنیا سے ناراض سدھاریں، جبکہ جناب سیدہؑ کی عظمت، اسلام کی ہر تاریخ میں مسلّم ہے، اور قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی لفظ اہلِ بیتؑ آیا۔ لفظ ذوی القربیٰ آیا ہو، یا کوئی ایسا لفظ ہو، اس سے کوئی مراد ہو یا نہ ہو۔ جناب سیدہؑ ضرور مراد ہیں، اس لیے کہ قرابت داری، یا رشتہ داری ہو یا اہلِ بیت کا لفظ ہو، جو لفظ ہو، اس سے کسی کے لیے بحث کی جا سکتی ہے کہ شامل ہے کہ

نہیں، لیکن اولاد کو تو کوئی خارج کر ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا یہ بات طے شدہ ہے کہ ہر حال میں جنابِ سیدہؑ جو ہیں وہ تو ان تمام آیتوں، ان تمام روایتوں، اور اس تمام ارشادِ پروردگار کا مصداق ہیں، جو اہلِ بیتؑ کی تعریف میں یا ذوی القربیٰ کی تعریف میں قرآن نے ارشاد فرمائے ہیں، یا حدیثیں ارشاد کی ہیں، بہر حال تاریخ نے اپنے دامن میں جنابِ سیدہؑ کے واقعات بھی چھپائے ہے، جس کو جس مسلمان کو دیکھنا ہو وہ اس کو پڑھے، اور اس کی اسٹڈی کر کے معلومات فراہم کرے۔

تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ اور ان کے گھرانے کو، اس زمانے کی سیاست نے وہ اہمیت نہیں دی جس اہمیت کے وہ مستحق تھے۔ جو اہمیت ان کا حق تھی، اور جس اہمیت کے بعد، وہ اسلام کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکتے ہیں، بلکہ بہت سے وہ اہم معاملات اور بہت سے خاص معاملات جن میں جمع قرآن بھی شامل ہے۔ اس سے مولا علیؑ کو علیحدہ رکھا گیا، اور ان سے ان معاملات میں کوئی رائے یا مشورہ نہیں لیا گیا۔ تاریخ آگے بڑھتی رہی۔ قدم بہ قدم، یہاں تک کہ رسولؐ اللہ کی دنیا سے رحلت کو پچیس سال گزرے تھے کہ ایسا وقت آیا کہ مسلمان جوق در جوق علیؑ کے دروازے پر آنا شروع ہوئے، اور انھوں نے کہا کہ یا علیؑ اسلام کی کشتی ڈگمگا رہی ہے، مسلمانوں کی رہبری کا فریضہ آپ انجام دیں، مولا علیؑ نے اوّل اوّل انکار کیا، کہا کہ تم لوگ جاؤ مجھے تم لوگوں کی ان چیزوں کی کوئی خواہش وتمنا نہیں ہے، لیکن لوگوں کا اصرار بڑھا، اور اصرار کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی کہی گئی کہ اگر اس وقت آپ دین اسلام کی کشتی کو نہ سنبھالیں گے تو دین کی تباہی کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ اگر آپ اسلام کو سہارا نہ دیں گے تو اسلام کے نقصان کا بھی جواب آپ کو ہونا پڑے گا۔ مجبوراً مولائے کائنات اُمت کی رہبری کرنے کے وا سامنے آئے اور اپنی شرائط کے اُوپر سامنے آئے۔

عزیزانِ گرامی۔۔۔!

میں تاریخ کی ان منزلوں سے گزرتا جا رہا ہوں، جو منزلیں بڑی نازک اور بڑی پُر خار ہیں، اور اسی میں آپ کی توجہ بھی چاہتا جا رہا ہوں، مولا علیؑ نے مسلمانوں کی رہبری تو قبول کی، مگر اپنی شرائط کے اُوپر۔

اس لیے کہ جس وقت مولا علیؑ نے رہبری قبول کی ہے، اس سے بارہ برس پہلے، ایک مرتبہ اقتدار و خلافت مولا علیؑ کے گھر کا رُخ کر چکی ہے، اور مسلمانوں نے اُن کے یہ علیؑ سے کہا تھا کہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں، مگر ہماری کچھ شرائط ہیں۔ آپ ان شرائط پر منظوری دیجیے تو ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، جس دن علیؑ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی ہے، اس سے بارہ برس پہلے کا واقعہ ہے کہ لوگ علیؑ کے گھر پر آئے تھے، یا اس کمیٹی میں علیؑ موجود تھے جہاں علیؑ سے یہ بات کہی گئی تھی کہ ہم آپؑ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ آپ کو اپنا رہنما تسلیم کرتے ہیں، بشرطیکہ آپؑ ہماری شرائط کے اُوپر عمل کیجیے۔ اس وقت مولا علیؑ نے ان سے شرائط پوچھی تھیں کہ تمہاری شرائط کیا ہیں؟ تو انھوں نے کہا: ہماری تین شرطیں ہیں۔ اگر آپ تین شرطوں کے اُوپر ہاں کرتے ہیں تو ہم ابھی ابھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرکے آپ کو اپنا رہنما تسلیم کرتے ہیں۔

کہا: شرطیں بیان کرو! کہا: پہلی شرط یہ ہے کہ آپ اللہ کی کتاب پر عمل کریں گے۔ کہا: منظور، دوسری شرط یہ ہے کہ آپ سیرتِ رسولؐ پر عمل کریں گے، کہا: یہ بھی منظور، کہا: تیسری شرط یہ ہے کہ آپ گذشتہ سیرتوں پر عمل کریں گے؟ کہا: یہ شرط نامنظور، کہا: کیوں نامنظور؟ کہا: یہ شرط مہمل ہے۔

اس لیے کہ گذشتہ سیرتیں یا کتاب و سیرتِ خدا و رسولؐ کے موافق ہیں، تو آگئیں اس کے اندر، یا خلاف ہیں، تو مجھ سے یہ اُمید نہ رکھو کہ میں کتابِ خدا و سنت

و سیرت رسولؐ کے خلاف عمل کروں گا۔

مگر مسلمانوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ انھوں نے کہا: اگر آپ کو ہماری شرطیں منظور نہیں ہیں تو ہمیں آپ کی قیادت و رہبری بھی منظور نہیں ہے۔ تو اس وقت تاریخ میں علیؑ کے وہ جملے موجود ہیں کہ یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ تم نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے۔ یہ کہہ کر علیؑ خاموش ہو گئے۔ اب مسلمانوں میں اور علیؑ میں ٹھن گئی۔ گویا ایک طرح سے، یعنی وہ اپنی طرف کھنچ گئے، یہ اپنی طرف کھنچے رہے، وہ اس بات پر کھنچ گئے کہ ہماری شرطیں مانو تو ہم تمہیں بنائیں، یہ اس بات پہ کھنچ گئے کہ تم ہماری شرطیں مانو تو ہم تمہارے رہبر بنیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اکثریت نے علیؑ کو مانا، یا اکثریت کو علیؑ کی شرطوں پر سر جھکانا پڑا۔ غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ کس نے کس کی بات مانی؟ لوگوں نے جو کہا وہ علیؑ کو ماننا پڑا۔ یا علیؑ نے جو کہا تھا وہ لوگوں کو ماننا پڑا۔ تاریخ بارہ سال تک اپنے سفر طے کرتی رہی، اور بارہ سال کے بعد مسلمانوں کا مجمع پھر علیؑ کے دروازے پر آن پڑا۔ علیؑ دروازہ کھول کے مسلمانوں کے پاس نہیں آئے کہ میں حاضر ہوں، مسلمانوں کا مجمع علیؑ کے در پر آیا۔ کہا: یا علیؑ! ہماری قیادت آپ سنبھالیے۔ کہا: مجھے نہیں چاہیے تمہاری قیادت، جاؤ جس کو دل چاہے رہبر چُن لو۔ پھر آئے لوگ کہا: یا علیؑ! آپؑ کے بغیر یہ کشتی ڈوب جائے گی سنبھلے گی نہیں، آپ سنبھالیے قیادت، تو اس وقت بھی فرمایا: تمھیں میری شرطیں منظور ہیں؟

علیؑ وہیں پہ تھے جہاں بارہ برس پہلے تھے، کہا: تمھیں میری شرطیں منظور ہیں؟ کہا: جی ہاں منظور ہے۔ کہا: یاد ہیں؟ کہا: یاد ہیں، آپ کتاب خدا اور سنتِ رسولؐ پر عمل کریں گے، گذشتہ سیرتوں پر عمل نہیں کریں گے۔ کہا: ہاں منظور ہے ہمیں۔ کہا: تو کرو بیعت! اب جو علیؑ کے ہاتھ پر بیعت شروع ہوئی تو یہ سمجھئے کہ دو بیعتیں ہو رہی

ہیں: ایک تو علیؑ کو اعتماد کا ووٹ دے رہا ہے اور دوسرا جو بیعت کر رہا ہے وہ اس شرط پر کہ ہاں آپ گذشتہ سیرتوں پر نہ عمل کریں مگر ہماری رہبری کریں، تو علیؑ نے اپنا سلسلہ بلا فصل رسولؐ سے جوڑ لیا ــــ (صلوٰۃ)

تاریخ کے بقول، بیعت کے لیے لوگ ٹوٹے پڑ رہے ہیں، علیؑ کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے، رسولؐ کے پچیس برس کے بعد، اور علیؑ کے شرائط پر علیؑ کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے، بیعت تمام ہوئی۔ اب مولا علیؑ مسجد میں نماز پڑھانے کھڑے ہوئے، میں اس کو کیا کروں؟

تاریخ لکھتی ہے کہ جب علیؑ نماز پڑھا چکے تو بڑے بڑے صحابہ کرام نے کہا کہ ہم نے آج رسولؐ کے زمانے والی نماز پڑھی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بیچ میں کوئی فرق ہو گیا تھا جو آج علیؑ نے اسی فرق کو مٹایا ہے۔ (صلوٰۃ)

اب یہ نہ کہیے گا کہ علیؑ نے اِدھر اُدھر ہر ایک کے پیچھے نماز پڑھی، ورنہ یہ مسلمان پلٹ کے کہہ دیتا کہ کل اس طرح پڑھ رہے تھے آج اس طرح پڑھا رہے ہو؟

غور فرمایا آپ نے ــــ!

اور اب اس کے بعد خطبے کی منزل آئی، سنیے: تو منبر رسولؐ جو بنا ہوا تھا مدینے میں وہ چار سیڑھیوں کا منبر تھا، اور اس کے عرشے کے اُوپر حضورؐ تشریف فرما ہوتے تھے۔ سب سے اُونچی سیڑھی کو عرشہ کہتے ہیں۔ اس پر بیٹھتے تھے جا کے اور وہاں بیٹھ کے خطبہ ارشاد فرماتے تھے، لیکن اس کے بعد جو حضرات اس منبر پہ تشریف فرما ہوتے رہے۔ وہ رسولؐ کے احترام میں ایک سیڑھی اور پھر دوسرا ایک سیڑھی، تیسرا ایک سیڑھی، سب ایک ایک سیڑھی چھوڑتے گئے۔ جب علیؑ پہنچے خطبہ پڑھنے کے لیے پہلی بار اس منبر پہ بحیثیت خلیفۃ المسلمین کے، اب لوگ حیران تھے کہ علیؑ کہاں بیٹھیں گے؟

تاریخ کہتی ہے کہ علیؑ نے منبر پہ اپنا سفر شروع کیا، ایک سیڑھی پہ پیر رکھا، دوسری سیڑھی پہ پیر رکھا، تیسری سیڑھی پہ پیر رکھا، عرشۂ منبر پہ رسولؐ کی جگہ آ کے بیٹھے۔ پچیس برس سے عرشہ خالی تھا۔ رسولؐ کی جگہ بھری تو علیؑ سے "صلوات" جیسے ہی علیؑ رسولؐ کی جگہ آ کے بیٹھے ویسے ہی کسی نے زیرِ منبر دبی زبان سے کہا: یا علیؑ رسول کی جگہ؟ یا علیؑ رسولؐ کی جگہ جا کے بیٹھے۔ ایک دفعہ نگاہ بھر کے اس کو دیکھا، اس لکڑی کے منبر کی بات کرتا ہے؟ یہ قدم دوشِ رسولؐ پہ جا چکے ہیں۔ (صلوات)

اور اس کے بعد مولا علیؑ کا وہ تاریخی خطبہ شروع ہوا جو نہج البلاغہ میں ہے جس کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى اِحْسَانِهٖ قَدْ جَعَلَ حَقُّ اِلٰى اَوَّلِ مَكَانِهٖ "اللہ کی تمام حمد و شکر اس کے احسان پر ہے، حق اپنی منزل اوّل پر پلٹ آیا"۔

اور اب علیؑ کا وہ دور شروع ہوا۔ پہلی بات، یہ سنجیدہ اور پڑھا لکھا مجمع ہے، اور دُور دُور جہاں تک میری بات اور آواز جا رہی ہے علیؑ کے ہاتھ میں جو سلطنت آئی تھی وہ اِک شورش زدہ سلطنت تھی، جس کے اندر امن و امان نہ تھا، جس کے اندر سکون نہ تھا، جو ہنگامی اقتدار تھا، اور وہ علیؑ کے ہاتھ میں آیا ہے۔ آپ تاریخ سے ان واقعات کا جائزہ لے لیں اور معلوم کر لیں کہ وہ کیسے حالات تھے، جن حالات میں زمامِ اقتدار مولا علیؑ کے ہاتھ میں آئی ہے۔ اس وقت ملک اچھے حالات میں نہیں تھا۔ شورشیں برپا تھیں، بے چینیاں تھیں، مخالفتیں تھیں، اور رسولؐ کو پچیس سال گزر چکے تھے۔ لہٰذا تصویرِ رسالتؐ نگاہوں میں دھندلی ہو گئی تھی۔

غور فرمایا آپ نے ــــــ!؟

عہدِ رسالت سے پچیس سال کا فاصلہ ہو چکا تھا، لہٰذا جس بچے نے رسولؐ کو دیکھا نہیں تھا وہ پچیس برس کا ہو گیا تھا۔ ایسے حالات میں اقتدار علیؑ کے ہاتھوں میں آیا، لیکن خدا کی قسم! تاریخ میں جب علیؑ کا کوئی جرم نہ ملا، اور جب علیؑ کی کوئی خطا نہ

ملی، تو اک عجیب علیؑ پر الزام لگا دیا۔ ایک عجیب اور بڑا دلچسپ سا الزام لگا میرے مولاؑ پر، دنیا میں جو اہم اور بڑی شخصیتیں گزری ہیں، اُن میں ہر ایک پہ کسی نہ کسی طرح کا الزام دشمنوں نے لگایا ہے۔ اس سے یہ بحث نہیں کہ وہ الزام صحیح ہے یا غلط ہے، لیکن الزام لگے علیؑ کی ذات پر وہ معجزہ نما ذات تھی، کہ الزام لگانے والے سر پکڑ کر بیٹھ گئے، مگر الزام کے لیے کوئی گنجائش ہی نہ ملی، کہ کیا الزام لگایا جائے۔ تو آخر میں یہ الزام لگا علیؑ پر کہ ہر طرح عمدہ تھے، علم میں ان کا جواب نہ تھا، زُہد میں ان کا ثانی نہ تھا، عبادت میں ان کی مثال نہ تھی۔ قوتِ فیصلہ میں تو ان سے بڑھ کے کوئی نہ تھا۔ میدانِ جنگ کے تو وہ ایسے فاتح تھے کہ دوسرا چشمِ فلک نے دیکھا نہیں، خاندان تو ان کا بے مثال تھا، اور کردار تو ان کا لاجواب تھا۔ ہر طرح عمدہ تھے۔ بڑے مقدس آدمی تھے، مگر سیاست سے واقف نہ تھے ذرا۔ مولا علیؑ جو تھے وہ سیاسی نہیں تھے، علیؑ پر یہ الزام لگا کہ مولا علیؑ سیاست سے واقف نہ تھے، خدا کی قسم پوری تاریخ علیؑ میں، اگر کوئی الزام ہے تو بس ایک الزام ہے، ورنہ کوئی الزام نہیں ہے دامنِ علیؑ پر، الزام بھی ہے ایک کہ سیاست سے واقف نہ تھے ہائے الزام لگ گیا، باڈی گارڈ کے ہوتے ہوئے اگر الزام لگ جائے؟

علیؑ روحانی شہنشاہ ہیں نا؟ تم جیسے دُنیاوی بادشاہوں کے واسطے، سیکورٹی اسٹاف ہوتا ہے نا؟ جو وی آئی پیز ہوتے ہیں، جیسے صدرِ جمہوریہ، وزیرِ اعظم، بادشاہ، تو ان کے لیے سیکورٹی انتظام ہوتا ہے، تو جو نورانی لوگ ہوں اُن کے لیے ویسا سیکورٹی اسٹاف ہونا چاہیے۔ تو اللہ نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لیے بھی سیکورٹی اسٹاف کا انتظام کیا ہے۔ اب آپ کہیں گے وہ کون سا سیکورٹی اسٹاف؟ تو جیسا بادشاہ ہوتا ہے ویسا سیکورٹی اسٹاف ہوتا ہے، اگر مادی بادشاہ ہو تو مادی سیکورٹی اسٹاف ہوگا، اگر روحانی بادشاہ ہو تو روحانی سیکورٹی اسٹاف ہونا چاہیے۔ تو اہلِ بیتؑ کے لیے سیکورٹی

اسٹاف آپ جانتے ہیں کیا ہے؟ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَهِّرَکُمۡ تَطۡهِیۡرًا۔

آیہ تطہیر کی سیکورٹی ہے، تو ہم نے آیۂ تطہیر سے پوچھا کہ اے آیۂ مبارکہ تیرے ہوتے ہوئے الزام کے کیا معنی؟ تو آیت نے پلٹ کے جواب دیا کہ غور سے دیکھو تو سہی، قاعدے سے پڑھو تو سہی کہ دیکھو یہ الزام ہے کہ تعریف ہے۔ دنیا نے سوچ کے لگایا الزام، علیؑ کی ذات تک آتے آتے بن گئی مدح۔ خدا کی قسم! یہ بھی عجیب و غریب معجزہ ہے کہ کسی نے پتھر سمجھ کے پھینکا اور وہ آتے آتے آپ کے دامن تک پھول بن گیا، اس کو کیا کیا جائے دنیا نے یہ سمجھ کے کہ کوئی نہ کوئی دھبہ ہو تو ہو یہ کہہ دیا کہ علیؑ پالیٹیشن نہیں تھے، سیاست نہیں جانتے تھے۔ میں نے کہا کہ اے خدا! تیرا لاکھ لاکھ شکر، سیاست کے دامن پر وعدہ خلافی کے دھبے، ظلم کے دھبے، قتل کے دھبے، خون کے دھبے، دنیا جب یہ دھبے دار کرتے لا کے علیؑ کو پہنانا چاہی علیؑ کے جسم پہ فٹ نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنا دامنِ سیاست پہ دھبے تھے کوئی دامنِ علیؑ پر نہیں ہیں۔ اب ان کی خبر لیجیے جو سیاست میں پلے ہیں۔ (صلوٰۃ)

علیؑ نے الگ الگ کر دیا دو سیاستوں کو، سیاستِ دُنیاوی الگ ہے، سیاستِ دینی الگ۔ سیاستِ الٰہی میں نہ مکر ہے، نہ فریب ہے، نہ جعل، نہ جھوٹ ہے، نہ وعدہ خلافی ہے، نہ ظلم ہے۔ ان میں سے کوئی بات سیاستِ الٰہی میں نہیں ہے۔ دنیا کی سیاست ہے وہ دنیا والے جانیں، اس سے ہمیں کوئی غرض نہیں کہ کہاں کیا ہے؟ لیکن اللہ کی جو سیاست ہے، رسولؐ خدا کی جو سیاست ہے اور اسلام کی جو سیاست ہے اس کے اندر ظلم و فساد اور ریا کاری اور دغابازی، اور قتل و خون اس کی گنجائش نہ کبھی تھی نہ آج ہے اور نہ آئندہ ہوگی۔

علیؑ سیاستِ الٰہی کے ماہر تھے، وہ حکومت کے لیے، دولت کے لیے، خزانوں

کے لیے، جواہرات کے لیے بے قرار نہیں تھے۔ اس لیے کہ علیؑ وہ شخصیت ہے کہ جہاں ہاتھوں کا دھوون جواہر بنتا اور جہاں اشارے پہ مٹی سونا ہوتی ہو وہاں سونا مٹی کے بھاؤ ہے۔ اور جواہرات ہاتھوں کا دھوون ہے۔

میرے دوستو! دنیا علیؑ کو کیا دھوکہ دیتی، اور دنیا علیؑ کو کیا فریب دیتی، حکومت علیؑ کے لیے کیا تھی یہ سناؤں آپ کو کوئی یہ نہ سمجھے کہ علیؑ کے دل میں تمنائے حکومت تھی۔ نہ حکومت علیؑ کے لیے کچھ تھی، نہ علیؑ نے حکومت کو کچھ سمجھا۔ نہ حکومت سے علیؑ نے کوئی فائدہ اٹھایا۔ وہ فائدہ جس کو دنیا فائدہ کہتی ہے لفظ فائدہ اس معنٰی میں استعمال کر رہا ہوں، جس معنٰی میں دنیا میں "فائدہ اٹھانا" استعمال ہوتا ہے۔

ابن عباسؓ سامنے بیٹھے تھے اور مولا علیؑ خلیفۂ وقت ہونے کے بعد اپنی پرانی نعلین اپنے ہاتھ سے ٹانک رہے تھے۔ نعلین مبارک پرانی ہوگئی تھی اس میں بھی اپنے ہاتھ سے ٹانکے لگا رہے تھے کہ ان کے سامنے رکھی وہ نعلین اور کہا: اندازا بتاؤ کہ اس کی قیمت کیا ہوگی؟ انھوں نے کہا: مولاؑ یہ تو بہت بوسیدہ ہوگئی ہے اس کو کون خریدے گا؟ کہا: پھر بھی کچھ تو اس کی قیمت ہوگی؟ کہا: میں کیا عرض کروں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی بوسیدہ نعلین کی کیا قیمت ہو سکتی ہے؟ کہا: سنو! اگر مجھ پر حجت نہ تمام ہوگئی ہوتی، تو تمہاری حکومت کی اتنی بھی قیمت میری نظر میں نہیں تھی، سنا آپ نے زبان سے ہر ایک کہتا ہے کہ میں فلاں کو جوتی پہ مارتا ہوں۔ یہ اُردو زبان میں مثل ہے۔

ہمارے لکھنؤ میں بولی جاتی ہے پتہ نہیں اِدھر بولتے ہیں کہ نہیں، تو جوتی پر مارتے ہوئے ہم نے دیکھا نہیں کسی کو سوائے اہلِ بیتؑ کے ــــــ (صلوات)

سنئے! مولا علیؑ کے ہاتھوں میں اقتدار آیا، اور اقتدار جب مولا علیؑ کے ہاتھوں میں آیا، تو وہی اصول، وہی قاعدے، وہی دستور جو رسولؐ خدا کے زمانے کے تھے، انھی کے اُوپر سختی سے عمل درآمد شروع ہوا۔ اور عالم یہ تھا کہ اگر کچھ بااثر لوگ، مدینے

کے کچھ با اثر لوگ رات کو اپنے دل میں کچھ حسرت لیے ہوئے ملنے آئے۔ تاریخ لکھتی ہے کہ بعض علاقوں کی گورنری کی حسرت لیے ہوئے علیؑ سے ملاقات کو آئے۔ اس وقت علیؑ بیٹھے ہوئے بیت المال کا حساب چیک کر رہے تھے، اور چراغ جل رہا تھا۔ وہ لوگ آ کے بیٹھے۔ صاحب سلامت ہوئی، کاغذ پہ نظریں ہیں، کہا: کیسے تشریف لائے آپ حضرات؟ انھوں نے کہا: کچھ باتیں کرنا ہے، فوراً ہاتھ کی ہوا سے چراغ بجھایا۔ مڑ کے بیٹھ گئے فرمایئے؟ کہا: رات ہے آپ نے چراغ کیوں بجھا دیا؟ کہا: اس چراغ میں جو تیل ہے وہ بیت المال کے پیسے کا ہے، میری آپ کی پرائیویٹ گفتگو ہوگی۔ یہ تیل جو اتنی دیر میں جلے گا یہ کس حساب میں جائے گا؟

اب آپ سوچئے کہ کتنے پیسے کا چراغ میں تیل جل جاتا؟ لیکن درحقیقت مولا علیؑ نے ساری گفتگو کو وہیں پر تمام کر دیا۔ آنے والوں نے اس گفتگو کے بعد صرف یہ کہا کہ ہمارا ارادہ یہ ہو رہا ہے کہ ہم عمرہ کرنے کے لیے مکہ جائیں، تو سوچا آپ سے ذکر کر دیں ہاں ہاں بسم اللہ، خدا حافظ، امید وار دعا ہوں۔ دعا کیجیے گا۔ اس لیے کہ جہاں اس قدر حساب ہو رہا ہو، وہاں گورنری کیا ملے گی؟

عزیزانِ گرامی ____!

آج میں ایک ایسے سوال کا جواب دے دوں کہ بچوں کے دل میں کھٹک نہ رہ جائے، اور پریشانی نہ رہ جائے کیونکہ آج کا پروپیگنڈہ ذہنوں کو اِدھر سے اُدھر بھٹکا سکتا ہے، اور نوجوان اس کے اندر آ سکتا ہے، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ ایک مسئلے کو ذہنوں میں کلیئر کر دوں، اور دماغوں میں آئینے کی طرح بات صاف ہو جائے، علیؑ کے دورِ اقتدار پر دشمنانِ علیؑ یہ الزام لگاتے ہیں کہ "علیؑ کا دور ناکام رہا"۔ کچھ لوگ علیؑ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ "علیؑ کا دورِ اقتدار کامیاب نہیں رہا" حالانکہ علیؑ نے اپنے دورِ حکومت میں جو نظام قائم کیا تھا اور جو اصول بنایا تھا، ان شاء اللہ اگر میری زندگی رہی

تو میں کل آپ کو سناؤں گا، اس لیے کہ آج کا وقت اتنا نہیں رہ گیا، لیکن اتنی بات ضرور عرض کر دوں کہ علیؑ نے اس عدل و انصاف کا مظاہرہ کیا ہے۔ اپنے دورِ اقتدار میں جس عدل و انصاف کی تعلیم رسولؐ نے دی تھی، جس عدل و انصاف کو قرآن نے بیان کیا تھا، علیؑ کے زمانے میں کوئی بھوکا سویا نہیں۔ علیؑ کے زمانے میں ظلم و ناانصافی کے دروازے بند ہوئے۔ علیؑ کے زمانے میں کمزور سماج کے کمزور طبقے کی بڑی خدمت ہوئی۔

علیؑ کے دورِ اقتدار میں کیا کیا ہوا ہے۔ یہ تو میں کل سناؤں گا۔ آج صرف اتنا سنا دوں کہ ہر سوسائٹی میں کچھ بااثر افراد ہوتے ہیں جو ہر قانون کو اپنے لیے نرم کرنا چاہتے ہیں۔ ہر زمانے میں ہوتے ہیں، ہر جگہ ہوتے ہیں، ہر دور میں ہوتے ہیں، اس کا نام لینا یا نشان دہی کرنا بے کار ہے، اور جب ان طاقتوروں کو کوئی ٹوکتا ہے تو وہ اقتدار کے خلاف ہنگامے کھڑے کرتے ہیں، جب ان کو کوئی ٹوکتا ہے تو وہ پروپیگنڈے اقتدار کے خلاف کرتے ہیں۔ ساری دنیا میں اس کی مثالیں کل بھی تھیں اور ساری دنیا میں اس کی مثالیں آج بھی ہیں، لیکن سماج کا پچھلا ہوا طبقہ بیک ورڈ لوگ ان کی کبھی کوئی آواز نہیں ہوتی، اِن کے دل سے دعا تو نکل سکتی ہے لیکن ان کی آواز سنائی نہیں دے سکتی، ان کے کلیجے سے آہ بھی نکل سکتی ہے، لیکن ان کی آہ کی آواز بھی دب کر نکلتی ہے۔ علیؑ نے ان لوگوں کی مدد کی، نظامِ الٰہی اور حکومتِ الٰہی قائم کی، اور دنیا کو یہ بتا دیا کہ حق و صداقت و انصاف کیا ہے، ظاہر ہے کہ علیؑ کے یہ اقتدار کا زمانہ طاقت وروں کو پسند نہیں آیا۔ ظالموں کو پسند نہیں آیا، قاتلوں کو پسند نہیں آیا، جو مالِ مسلمین کھانے کے عادی ہو گئے تھے، کیا آپ کو معلوم ہے کہ اسلام کے اندر کوئی گنجائش نہیں ہے، اسلام برابری کا مذہب ہے، اور اسلام میں عزت ملتی ہے۔ تقویٰ کی بنیاد پر، خاندان کی بنیاد پر نہیں، نسل کی بنیاد پر نہیں، رنگ کی بنیاد پر نہیں،

مولا علیؑ بیت المال کا پیسہ بانٹ رہے ہیں، لائن لگی ہوئی ہے۔ آگے آگے عرب چل رہا ہے جھومتا ہوا اس لیے کہ فاتح قوم کا ہے۔ رسول بھی عرب تھے، قرآن بھی اسی کی زبان میں ہے۔ آگے چل رہا ہے، اس کے پیچھے پیچھے سر جھکائے ہوئے ایک ایرانی چل رہا ہے عجم، مفتوح قوم کا فرد ہے، کمزور ہے۔ علیؑ کے سامنے عرب آیا، یا علیؑ ایک دینار جو حصہ تھا، دینار اٹھایا، کھڑا ہو گیا سائڈ میں گیا نہیں۔ ایرانی آیا سر جھکائے ہوئے ایک دینار، عرب نے دیکھا کہا: جتنا میرا شیئر اتنا ایرانی کا شیئر؟ ایک دینار نہیں کھلا، اس کو ایک ہی ملا، اس کو آدھا ملتا تو یہ خوشی خوشی چلے جاتے۔

دیکھا آپ نے، یہ ہے بیماری دماغ کی، ابھی اگر تمہیں ضرورت زیادہ کی ہے تو وہ کچھ نہیں ہم بڑے ثابت ہوں، یہ ہے معاملہ اس پہ خفا نہیں ہے کہ ہم کو ایک کیوں ملا، بگڑا اس پر کہ اس کو میرے برابر کیوں ملا؟ جیسے ایرانی کو ایک ملا عرب کے برابر، عرب گھوما، اپنا دینار علیؑ کے سامنے پٹخا، کیا اب یہ بھی ہوگا کہ عربوں کے برابر ایرانیوں کو حصہ ملے؟ جتنے زور سے اس نے دینار پٹخا اس سے زیادہ زور سے گھور کے علیؑ نے اس کو دیکھا، کہا: کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ اسلام کے آئین کے اندر آنے کے بعد بھی عرب اور عجم کا فرق برقرار رہے گا؟ اگر اب بھی تیرے ذہن میں یہ خیال ہے تو نکل جا دین اسلام سے، نکل جا۔ دینار لے یا اسلام چھوڑ دے؟ ـــــ (صلوٰۃ)

آپ کہتے ہیں چار برس، پانچ برس۔ چار برس تو مہینے علیؑ کے اقتدار کا زمانہ، مگر کہتا ہوں چار مہینے تو کوئی چلا کے دکھائے، پھر کیسے کردارِ علیؑ کو جو اتنے دنوں حکومت کی، اس طرح سے کہاں اقتدار چلتا ہے۔ وہ تو کل سناؤں گا آج ایک جواب سنا دوں بس اور اس کے بعد بات تمام ہو جائے گی آج، کہ لوگ کہتے ہیں علیؑ کا دورِ اقتدار ناکام ہوا، علیؑ نے کسی پر ظلم کیا؟ نہ علیؑ نے کوئی عمل خلافِ حق کیا؟ نہ علیؑ نے کسی کو بے جا ستایا؟ نہ علیؑ نے کسی کو بے جا طریقے پر قتل کیا؟ ہر جگہ جواب آ رہا ہے:

"تھے"۔ پھر ناکام کیوں ہوا؟ کہا: ناکام اس لیے ہوا کہ ان کی پالیسی سخت تھی۔ کیا سخت تھی پالیسی؟ نماز ایک دفعہ کے بدلے دو دفعہ پڑھوائی؟ روزے تیس کے بدلے ساٹھ رکھواتے تھے؟ حج سال میں ایک مرتبہ کے بدلے دو مرتبہ کراتے تھے؟ کہا: نہیں نہیں صاحب یہ بات نہیں تھی۔ پھر؟ کہا: مطلب یہ کہ وہ بہت ہی سختی رکھتے تھے، تو کن پر سختی رکھتے تھے؟ وہی تو نا جو مذہب میں ناجائز نرمی کا مطالبہ کرتے تھے۔

مجھے انہی پر تو سختی رکھتے تھے جو مذہب میں ناجائز نرمی کا مطالبہ کرتے تھے؟ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مذہب سے باغی تھے ان کی نظر میں علیؑ کا دور اقتدار ناکام ہے، تو بس ایک بات سمجھ لیجیے کہ علیؑ کا دور اقتدار کسوٹی ہے کہ کسے اسلام پسند ہے، کسے ناپسند ہے، جسے اسلام پسند تھا اُسے علیؑ پسند آئے، جسے اسلام ناپسند تھا اسے علیؑ ناپسند لگے۔ (صلواۃ)

اب میاں ایک بات اور سن لیجیے، اور وہ یہ کہ جو لوگ کہتے ہیں یہ ہوا اور یہ ہوا اور وہ ہوا، تو جو لوگ کہتے ہیں کہ علیؑ نے سختی کی تو علیؑ کا دور اقتدار ناکام رہا۔ اب میں ان سے پوچھتا ہوں کہ سرکار کا خدا کے متعلق کیا خیال ہے؟ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے، کتنے خاصانِ خدا آئے، اس کے باوجود بھی دنیا میں ظلم بھی ہے، برائی بھی ہے، خرابی بھی ہے، بلکہ دنیا میں برائیوں کی فیصد نیکیوں سے زیادہ ہے، تو کیا اب آپ یہ کہیں گے کہ خدا کی خدائی کو ناکام کہنے کا وہم ہو گیا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے باوجود تو علیؑ کے دور اقتدار کو ناکام نہ کہو۔ علیؑ کی عصمت وطہارت کے باوجود۔ (صلواۃ)

علیؑ نے زمام اقتدار سنبھالی اور سیرت پیغمبر کی جھلکیاں نظر آنے لگیں۔ علیؑ کے حکومت کی بنیاد نہ لشکر پر تھی، نہ فوج پہ تھی، خالص اسلامی اصول کی بنا پر علیؑ کی حکومت تھی، خوف الٰہی پہ تھی۔ جہاں حکومت کی بنیاد پولیس اور فوج پر ہوتی ہے وہاں

اکیلے اور اندھیرے میں جرائم ہو جاتے ہیں، جہاں قانون کی نظر نہیں جاتی۔ وہاں جرائم سرزد ہوتے ہیں۔ علیؑ نے اپنے انتظام کی بنیاد تقویٰ پر رکھی تھی۔ اور اپنے چار برس نو مہینے کے دورِ حکومت میں (جبکہ دنیا نے انہیں اطمینان سے حکومت نہیں کرنے دی) ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا کہ بغیر پولیس کی گرفتاری کے مجرم خود آتے تھے۔ میں دو جھلکیاں دکھا کے آج کا بیان تمام کرتا ہوں۔

علیؑ مسجد میں بیٹھے ہیں، ایک شخص آیا جس کا نام اسود تھا۔ آن کے علیؑ کے سامنے کھڑا ہوا۔ کہا: یا علیؑ! مجھے پاک کر دیجیے۔ کہا: اسود کیا ہوا؟ کہا: مولاؑ مجھ سے چوری ہو گئی ہے، میں نے چوری کی ہے۔ کہا: کیا بھوکے تھے؟ کہا: بھوکا نہ تھا۔ کہا: حالتِ اضطرار میں تم سے چوری ہو گئی، اپنے قابو میں نہیں تھے؟ کہا: جی نہیں بالکل قابو میں تھا۔ آواز دی: اسلامی سزا کا انتظام کرو، چوری کی سزا آپ کو معلوم ہے، کیا ہے؟

انگلیاں کاٹی جاتی ہیں، اسود کی انگلیاں کاٹیں علیؑ نے، اسٹیٹ کے خرچے پہ بینڈ یج ہوئی۔ جو کچھ بھی اس زمانے میں بینڈ یج کا دستور تھا۔ اب کٹا ہوا ہاتھ لیے جا رہا ہے مسجد سے باہر، اب جہاں بھی دی گئی ہو، مسجد کے اندر کہاں دی گئی ہوگی، بہر حال جہاں بھی دی گئی ہو، وہاں سے جا رہا ہے، اور آپ جانتے ہیں کیا کہتا ہوا جا رہا ہے؟ روتا ہوا نہیں جا رہا ہے علیؑ کی شان پہ قصیدہ پڑھتا ہوا جا رہا ہے۔ کون ہو سکتا ہے اس امام کے جیسا جو گناہوں سے پاک کرتا ہے، جنت کی بشارت دیتا ہے۔

تھوڑے دن گزرے ایک عورت چلی آ رہی ہے سر جھکائے ہوئے، آن کے علیؑ کے سامنے کھڑی ہو گئی، کون ہے کیوں آئی ہے؟ یا علیؑ مجھے پاک کر دیجیے، سر سے پیر تک دیکھا۔ کہا: جا سال بھر کے بعد آنا، سال بھر کے بعد آئی وہی عورت، گود میں ایک چھوٹا سا بچہ لیے ہوئے، یا علیؑ مجھے پاک کر دیجیے، اس کو دیکھا۔ اس چھوٹے سے بچے کو دیکھا، کہا: جاؤ دو برس کے بعد آنا، نہ گھر کا پتہ نوٹ کیا گیا، نہ نام نوٹ کیا گیا،

نہ پولیس گئی پیچھے۔ کہا: دو برس کے بعد آنا، دو برس کے بعد پھر چلی آ رہی ہے۔ یا علیؑ مجھے پاک کر دیجیے۔ غور سے بچے کو دیکھا، کہا: یہ ابھی بہت چھوٹا ہے سال بھر کے بعد آنا۔ سال بھر کے بعد پھر چلی آ رہی ہے۔ یا علیؑ! مجھے پاک کر دیجیے۔

تاریخ کہتی ہے اب جو آئی تو علیؑ نے با آواز نعرۂ تکبیر بلند کیا، فرمایا: اللہ اکبر! یہ ہوئیں چار گواہیاں، جملہ دیکھیے۔ چوتھی دفعہ آئی ہے اب یہ، فرمایا: اللہ اکبر یہ ہوئیں چار گواہیاں، اور اس کے بعد اس کی سزا کا انتظام کیا گیا۔ اس کی پرورش کا انتظام کیا گیا۔ ہم جب پڑھتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں یہ کتابوں کی داستانیں ہیں۔ یہ پریکٹیکل نہیں ہیں۔ آپ کو یقین ہوگا کہ کوئی آدمی اپنی جان دینے کو آئے گا، کوئی آدمی اپنے ہاتھ کٹوانے کو آئے گا؟ آپ نہیں مان سکتے۔ نہ مانئے لیکن اگر سمجھ میں نہ آیا ہو تو وہ کہیے۔ ماننا نہ ہو تو وہ کہیے، سمجھ میں نہ آیا ہو تو میں سمجھا دوں، ماننے نہ ماننے کا اختیار آپ کو ہے۔ کوئی آدمی ایک رات پولیس لاک اَپ میں رہنا چاہتا ہے، کسی صاحب کے دل میں تمنا ہے کہ آج رات پولیس اس کو بند کر دے کل صبح چھوڑ دے۔ انھوں نے کہا: صاحب کیسی بات کرتے ہیں آپ۔ اچھا ایک آدمی تین برس کی سزا کی دعائیں مانگ رہا ہو؟ ایک آدمی پر کیس چل رہا ہے۔ انھوں نے کہا: اگر یہ دفعہ لگی تو پھانسی ہو جائے گی، اور اگر یہ دفعہ لگی تو تین برس کی سزا ہوگی، قابل سے قابل وکیل کیا گیا۔ وکیل نے پوری طاقت سے بحث کی، کہا: بھئی ہم نے تو پوری کوشش کر دی ہے۔ اب یہ جج کے اُوپر ہے، تمہارا نصیب ہے۔ اگر جج کی سمجھ میں آ گئی بات، اور یہ دفعہ لگا دی تب تو تین برس کی سزا کے بعد چھوٹ جائے گا، اور اگر نہیں سمجھ میں آئی تب تو بھئی پھانسی ہوگی۔ اب اس کی بیوی اس کے بچے اس کا خاندان سب دعائیں مانگ رہے ہیں۔ یا اللہ! تین برس کی سزا ہو جائے یا اللہ تین برس کی سزا ہو جائے۔ دوسرے دن عدالت بیٹھی، جج آیا، ججمنٹ سنانے کا وقت آیا۔ جج نے ججمنٹ سنایا کہ

میں فلاں دفعہ کے تحت اس کو تین برس کی سزا دے رہا ہوں۔ مبارک بادیں ہونے لگیں، مٹھائیاں بٹنے لگیں۔ تین برس کی سزا کاٹنے جا رہے ہیں وہ صاحب مگر یہ مٹھائیاں بٹ رہی ہیں۔ عید ہوگئی گھر میں، مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ تین برس کی سزا کس چیز کے مقابلے میں؟ پھانسی کے مقابلے میں، ایک آدمی رات بھر پولیس لاک اَپ میں نہیں رہنا چاہتا، لیکن ایک آدمی پھانسی کے مقابلے میں، تین برس کی سزا چاہتا ہے۔ یہ دیکھئے کہ جو اپنا ہاتھ کٹوانے آیا۔ یا جو اپنی جان دینے آئی وہ کس کے مقابلے میں؟ آتشِ جہنم کے مقابلے میں دنیا کی سزا قبول کرنے کے لیے۔ (صلواۃ)

یہ ہیں علیؑ، تو جب تک مسند پہ وہ نہ ہو جو صاحبِ تطہیر ہو تو ہر ایک اپنے کو پاک کروانے آئے گا نہیں۔

بس عزیزانِ گرامی ــــــ!

علیؑ نے دنیا کو حق و صداقت کی اس طرح تعلیم دی کہ جو منشائے پروردگار تھا، مگر برائی کی طاقتیں اور ظلم کی قوتیں علیؑ سے اس طرح بھر گئیں کہ علیؑ سے انتقام نہ لے سکے تو حسنؑ سے بدلہ لیا، اور حسنؑ سے بدلہ نہ لے سکے تو حسینؑ سے بدلہ لیا گیا، یہ پرانی دشمنیاں تھیں جو کربلا میں نکالی گئیں، یہ پرانی عداوتیں تھیں جس کا بدلہ کربلا میں حسینؑ سے چکایا گیا۔ بقول میر انیس:

مدت سے تھے جو شام کے سرکش بھرے ہوئے
خالی کیے حسینؑ پہ ترکش بھرے ہوئے

ذکرِ مصائب

یہ جو تیروں پہ تیر چلتے رہے، یہ پرانی دشمنی آلِ محمدؐ سے تھی۔ ظلم و جور کو، کفر و ناانصافی کو پرانی عداوتیں تھیں جو نکالی گئی ہیں۔ سوگوارانِ حسینؑ، محرم گزر رہا ہے۔

میں کہوں گا: بی بی فاطمہؑ! مجلس میں آیئے اور ان کے دیکھیے کہ یہ آپؑ کے بچوں کے غلام حاضر ہیں۔ یہاں رونے کے لیے جمع ہیں آپ کے لال پر۔ حسینؑ! ہم کیا کرسکتے ہیں آپؑ کے ساتھ سوائے چند آنسوؤں کے؟ حسینؑ کو ہم سے دو چیزوں کی تمنا ہے، بس میں آپ کو امام حسینؑ کے دو شعر سنا کے مجلس تمام کیے دیتا ہوں۔

امام عالی مقامؑ کے یہ شعر آپ کے سنے ہوئے ہیں، فرماتے ہیں:

شِيْعَتِي مَا اِنْ شَرِبْتُمْ مَآءَ اَذْبٍ فَاذْكُرُوْنِي

اَوْ سَمِعْتُمْ بِغَرِيْبٍ اَوْ شَهِيْدٍ فَانْدُبُوْنِي

لَيْتَكُمْ فِي يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ جَمِيْعًا تَنْظُرُوْنِي

كَيْفَ اَسْتَسْقِي لِطِفْلِي فَاَبَا وَاَنْ يَرْحَمُوْنِي

”اے میرے شیعو! جب بھی پانی پینا مری پیاس یاد کر لینا“۔

ہائے حسینؑ کی پیاس، ہائے مرے مولاؑ کی تین دن کی پیاس، سید سجادؑ کے سامنے جب پانی آیا کہا: خدا کی قسم! میرا بابا پیاسا شہید ہوگیا۔

کہا: ”میرے شیعو! جب پانی پینا مری پیاس یاد کر لینا“۔

ہائے کس کس کی پیاس یاد کریں۔ ہم اصحاب حسینؑ کی پیاس یاد کریں یا بنی ہاشم کی پیاس یاد کریں؟ یا تیرہ برس کے کمسن قاسمؑ کی پیاس یاد کریں یا اس چونتیس برس کے جوان کی پیاس یاد کریں جو دریا میں اترے اور پیاسا نکل آیا۔

عزیزو......!

آپ کو معلوم ہے، کبھی کبھی رمضان میں جب رمضان گرمی میں ہو تو سارا دن تو آدمی گزار لیتا ہے، افطار میں اگر دو چار منٹ باقی ہیں اور سامنے پانی کا یا شربت کا گلاس بھرا ہوا رکھا ہوتا ہے تو وہ دو چار منٹ جو ہیں وہ پورے دن سے بھاری لگتے ہیں، اس لیے کہ سامنے پانی یا شربت کا گلاس جب آجاتا ہے تو پیاس بھڑک اٹھتی

ہے، اور اب طبیعت کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

آپ سوچئے کہ تین دن کی پیاس ایک طرف اور عباسؑ جب دریا میں اُترے ہوں گے یہ لہریں لیتا ہوا پانی چونتیس برس کے علیؑ کے شیر کی جوانی جھک کے چلو میں اُٹھایا، شاید سکینہؑ دکھائی دی، اس تاجدار وفا پہ لاکھوں سلام، جو دریا سے پیاسا نکل آیا۔ علی اکبرؑ کی پیاس یاد کروں؟ جو کہہ رہے تھے بابا پیاس مارے ڈالتی ہے، شاید سب پیاسے مل کے کہیں کہ ہم سب کی پیاس ہمارے آقا حسینؑ پر قربان جو اپنے بیٹے کا شانہ ہلا کے کہہ رہے تھے: بیٹے میرے شیعوں کو سلام کہہ دینا، اور کہنا کہ جب پانی پینا تو میری پیاس یاد کر لینا۔ جب کسی پردیسی یا شہید کو سننا تو مجھ پر رو لینا، بس اس کے بعد کا شعر سنئے اور مجلس تمام ہو۔

آپ کا امام کہتا ہے: اے میرے شیعو! کاش تم سب عاشور کے دن ہوتے، ہائے یہ مجمع، یہ مجمع، کاش یہ سب عاشور کے دن ہوتے۔ حسینؑ کہتے ہیں ارے کاش کے تم عاشور کے دن ہوتے اور دیکھتے کہ کیسے میں علی اصغرؑ کے لیے پانی مانگ رہا تھا مگر کسی نے پانی نہ دیا۔ حُرملہ کی کمان کڑکی، حسینؑ نے کلیجہ تھاما، ارے ربابؑ کی کمائی لُٹ گئی۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

مجلسِ ہفتم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

خداوند عالم قرآنِ مجید میں ارشاد فرما رہا ہے کہ "یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔ سلسلۂ کلام ذہنِ عالی میں ہوگا، میں نے کل آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ مسلمانوں نے رسولؐ اللہ کے پچیس برس بعد علیؑ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور علیؑ ولی تو تھے ہی، علیؑ امام تو تھے ہی، دنیا نے جو اصول بنایا تھا اس حساب سے بھی علیؑ کے ہاتھ پر بیعت ہوگئی۔ اور اب اقتدار مولا علیؑ کے ہاتھ میں تھا، اور وہ نظام جو اسلام کا نظام تھا، جو قرآن کا نظام تھا، اور وہ نظام جو سرورِ کائنات کا نظام تھا، اس کو علیؑ اس دنیا پر سختی سے نافذ کر رہے تھے جو زبان سے مسلمان تھے مگر دل ان کا کچھ اور چاہتا تھا۔

عزیزانِ گرامی ـــــــ!

میرے پاس وقت ظاہر ہے بہت کم ہے، اور مجھ کو باتیں بہت سی کہنا ہے۔ تو میں اس مختصر وقت میں جلدی ہو سکے گا بات پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ مولا علیؑ کا نظامِ حکومت ایسا تھا جو آج تک دنیا کے واسطے مشعلِ راہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مسلمان اس کو دنیا کے سامنے پیش نہ کریں، یا انسانوں تک وہ قاعدے سے نہ پہنچے، لیکن انسانی زندگی کی سب سے بڑی بنیادی ضرورتیں، تین ہیں: ایک اس کو پیٹ بھر

کے روٹی ملے، دوسرے اس کو ضرورت بھر کپڑا ملے، تیسرے اس کو سر چھپانے کے لیے جگہ ملے۔ یہ انسان کی بنیادی تین ضرورتیں ہیں، جن کے بغیر ہر انسان کی زندگی نامکمل ہے، اور اقتدار سنبھالنے کا سب سے پہلا فرض ہے کہ وہ اسی وقت اقتدار پر قبضہ کرے، جب اس بات کو یقینی بنالے کہ وہ اپنی رعیت اور عوام کو روٹی، کپڑا اور مکان مہیا کرسکتا ہے۔ آج کی دنیا میں جب کہ وسائل کی اتنی آسانی ہے، اور دنیا سمٹ کے ایک شہر کی طرح ہوگئی ہے کہ چند گھنٹے کے اندر دنیا کے اس کونے سے اس کونے تک امداد پہنچائی جاسکتی ہے۔ دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک چوبیس گھنٹے کے اندر امداد پہنچائی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد بھی غریب دیسوں میں بھوک سے لوگ مرجاتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی سردی ٹھٹھر کے سیلاب کے تھپیڑوں میں، لو کے جھونکوں میں، انسانی زندگی کے چراغ گل ہوجاتے ہیں۔ فٹ پاتھ پر زندگی بسر کرنے والوں کو دیکھنے کے لیے بمبئی سے باہر جانے کی ضرورت نہیں، جن کے پاس کوئی گھر نہیں ہے اور جو گھر سے محروم پوری زندگی گزار دیتے ہیں تصور کیجیے اس رہبر کا جو آج سے چودہ سو برس پہلے اس دنیا میں تھا، اس زمانے میں وسائل کی کتنی دشواری تھی، اس زمانے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ سامان پہنچانا کتنا مشکل تھا۔ اس زمانے میں وسائل کتنے الگ تھے آج کی دنیا سے، لیکن علیؑ نے کوفے کے منبر پہ بیٹھ کے، مجمع عام میں کہ پوری مسجد کوفہ چھلک رہی تھی اور خالی دوست ہی نہیں بلکہ دشمن بھی موجود تھے اس کے اندر، اعلان کیا ہے کہ میرے دور حکومت میں آج ایک آدمی ایسا نہیں ہے کہ جو روٹی نہ کھا رہا ہو، جو سائے میں نہ بیٹھا ہو، جس کے جسم پر لباس نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ علیؑ نے اپنے چار سالہ دور حکومت میں روٹی، کپڑے اور مکان کے مسئلے کو حل کردیا لیکن یہ کیسے حل ہوا تھا۔ آپ کو معلوم ہے؟ یہ ایسے حل ہوا تھا کہ سربراہِ مملکت دو دو وقت کبھی کبھی فاقے کرکے جو کی روٹی کے دو ٹکڑے کھا لیتا تھا۔

بادشاہِ وقت خود معمولی لباس پہنتا تھا، اور دوسروں کو اچھا لباس پہناتا تھا۔ امیر المومنینؑ ایسے گھر میں رہتے تھے کہ جس کو دیکھ کر کوئی یقین نہ کرے کہ یہ امیر المومنینؑ کا گھر ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ کوئی آدمی زیارت علیؑ کے شوق میں کہیں باہر سے آ رہا تھا۔ اس زمانے میں ٹرینیں نہیں تھیں۔ کارواں چلتے تھے، کوفے پہنچتے پہنچتے اس کو رات ہوگئی۔ اس نے کسی باشندے سے پوچھا کہ میں امیر المومنینؑ کے گھر جانا چاہتا ہوں، مجھ کو امیر المومنینؑ کا گھر بتا دو۔ اس نے کہا: میرے ساتھ چلو میں بتاتا ہوں، وہ لیے ہوئے آیا، ایک چھوٹا سا گھر اِک گلی میں اِک معمولی سا دروازہ، انھوں نے کہا: یہ امیر المومنینؑ کا گھر ہے، اس نے سر سے پیر تک لانے والے کو حیرت سے دیکھا، کہا: بڑے افسوس کی بات ہے۔ میں پردیسی، میں دُور سے آ رہا ہوں۔ میں تم سے امیر المومنینؑ کا گھر پوچھ رہا ہوں۔ تم نے مجھے یہاں لا کے کھڑا کر دیا۔ کیا تمہارے شہر میں پردیسی کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے۔ کیا تمہارے شہر میں رات کو پردیسیوں کو یونہی ستایا جاتا ہے۔ وہ شخص کانپنے لگا، کہا: اے نئے آنے والے! علیؑ کے دور میں کسی کی مجال نہیں ہے کہ کسی نئے آنے والے کو ستائیں۔ میں یہاں کھڑا ہوں، تو آواز دے کے دیکھ، اگر یہ امیر المومنین علیؑ کا گھر نہ نکلے تو جو چاہنا مجھے سزا دے لینا۔

اس نے آواز دی، اندر سے جواب آیا: آجاؤ۔ آواز کے رعب نے اس کو بتایا کہ سردار کی آواز ہے۔ کانپتا ہوا اندر داخل ہوا، سردی کا زمانہ تھا، علیؑ ایک چادر دوش پر ڈالے عبادت کر رہے تھے، چہرے کا جلال دیکھ کر پہچان گیا کہ منزل پر پہنچ گیا، فوراً پہلا سوال کیا: یا علیؑ! اس سردی میں آپ ایک چادر میں؟ کہا: یہی چادر میں مدینے سے لے کے آیا تھا میں نے تمہارے بیت المال سے کچھ نہیں لیا ہے۔ یہ علیؑ تھے، یہ علیؑ کا مکان تھا، علیؑ کی غذا سنیں گے آپ؟ آنے والا عید کے دن علیؑ کے سامنے ایک تھیلا پیش کیا گیا چمڑے کا، جس پر مہر لگی ہے۔ آنے والے کے خیال میں

ہے کہ اس میں جواہرات نکلیں گے۔ اس میں سونے کے سکے نکلیں گے۔ علیؑ خوشی خوشی مہر توڑتے ہیں، تھیلے کو الٹ دیتے ہیں، سوکھی جو کی روٹی کے ٹکڑے نکلتے ہیں۔

عید کا دن ہے، توڑ کے نوش کرتے ہیں، آؤ بھائی تم بھی کھاؤ، آج روزہ نہیں ہے، آج عید ہے۔ وہ حیرت سے دیکھ رہا ہے۔ یا علیؑ یہ مہر لگا تھیلا یہ روٹی کے ٹکڑے، میں تو سمجھا تھا کہ اس میں جواہرات ہوں گے۔

کہا: نہیں یہ میری زمین سے جَو آتا ہے، میں نے تمہاری حکومت سے ایک جَو بھی نہیں لیا ہے، یہ علیؑ کی غذا ہے۔ لباس سنیں گے آپ؟

علیؑ ساتھ جا رہے ہیں اور قنبرؓ جا رہا ہے علیؑ کا غلام، بازار سے دو کرتے خریدے، پہلے ایک دکان پر گئے، وہاں کرتے دیکھ کے چلے آئے۔ نہیں خریدے، آگے بڑھ کے دوسری دکان پر گئے وہاں سے خریدے۔ پہلی دکان پر کیوں نہیں خریدے۔ سنیں گے آپ؟ پہلا والا دکان دار پہچان گیا یہ علیؑ ہیں۔ نہیں خریدے، کہا: کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ میرے رعب سے نفع نہ لے۔ دوسری دکان پر گئے وہ نہیں پہچانتا تھا وہاں سے دو کرتے خریدے۔ ایک اچھا تھا ذرا، ایک معمولی تھا۔ دیکھنے والے یہ سمجھے کہ ایک اپنے لیے لیا ہے ایک غلام کے لیے۔ اچھا کرتا خود زیب تن کریں گے، معمولی کرتا غلام کو پہنائیں گے۔ جب تقسیم کی منزل آئی عمدہ کرتا غلام کو دے دیا، معمولی کرتا خود پہن لیا۔ کہنے والے نے کہا: یا علیؑ! یہ کیا کیا؟

مسکرا کے کہنے لگے: وہ جوان ہے اس کے پہننے کے دن ہیں، میں بوڑھا ہوا، جوان بوڑھے کی بات تو جانے دیجیے جس کو خدا نے آیۂ تطہیر کی قبا پہنائی ہو وہ عمدہ کرتے پہن کے کیا کرے گا ۔۔۔ (صلواۃ)

تاریخ بتاتی ہے کہ علیؑ نے اپنے دورِ اقتدار میں جو انتظامات کیے ہیں، علیؑ کا زمانہ ترقی علم کا زمانہ تھا۔ علیؑ وہ شہنشاہ ہیں جنھوں نے اپنی پوری قلمرو میں یہ حکم بھیج دیا

تھا کہ خبردار کوئی بچہ غیر تعلیم کے نہ رہنے پائے، یعنی علیؑ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے تعلیمی معیار قائم کیا ہے اپنے زمانے میں۔ ان لوگوں کے پاس جو مال گزاری وصول کرتے تھے آرڈر بھیجا کہ زمینوں سے جب وصولا کرو تم سب خود ہی نہ رکھ لیا کرو، اس میں زمین کا بھی حصّہ نکالا کرو۔

آپ بھی غور کریں اس مسئلے پر کہ زمین کا بھی حصّہ نکالا کرو، یعنی ایسا نہ ہو کہ تم زمین سے وصول ہی کرتے جاؤ اور آخر میں زمین کو بنجر بنا کے چھوڑ دو۔ زمین کا بھی حصّہ نکالو تا کہ زمین ڈیولپ ہوتی رہے۔

میں آپ سے کیا بتاؤں، اور کیو نکر سنا دوں چند منٹ کے اندر سمیٹ کر علیؑ وہ پہلے شہنشاہ ہیں جنھوں نے پورے ملک میں آبپاشی کا نظام قائم کیا تھا۔ آپ سمجھتے ہیں کہ مولا علیؑ صرف میدانِ جنگ کے اِک شہسوار تھے؟ آب رسانی کا جو نظام ہے، ریگستان کی پیاس بجھا کے اس کو سیراب کرنے کا، آپ بھی اس کو پڑھیں اور دیکھیں، یہ چیزیں مطالعے کی ہیں۔ اسٹڈی کی ہیں۔ آپ پڑھا کیجیے اور دوسری طرف دنیا ہم پر کیا تعصب کا الزام لگائے گی۔ آج کے ہندوستان کو سمجھایئے علیؑ کا پیغام کہ اسلام تعصب کا مذہب نہیں ہے، اسلام انسانیت کا مذہب ہے۔ غلط فہمیاں بڑھتی چلی جارہی ہیں آپس میں، قدم آگے بڑھا کے اس اسلام کو پیش کیجیے جس کی طرف دنیا کا دل کھنچے، اس اسلام کو پیش کیجیے کہ جس سے دنیا کو فروغ ہو۔ مولا علیؑ جب مالکِ اشترؓ کو گورنر بناتے ہیں مصر کا، وہ مشہور زمانہ خط جس کا مختلف زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ کبھی آپ پڑھ لیں اسے، تو اس کے اندر دو جملے لکھے ہیں شروع میں کہ میں تمہیں ایک ایسے صوبے میں حاکم بنا کے بھیج رہا ہوں جہاں تمہیں دو طرح کے لوگ ملیں گے، یا وہ تمہارے دینی بھائی ہوں گے، یا شکل و صورت میں تمہارے جیسے ہوں گے۔ مصر میں مسلمان بھی تھے، غیر مسلم افراد بھی تھے۔ اگر مسلمان ہیں تو اپنا دینی بھائی سمجھ کے

اس کی مدد کرو، اگر غیر مسلم ہیں تو اپنا جیسا انسان سمجھ کے اس کی مدد کرو ۔۔۔۔ (صلوات)

یہ بات سوچئے اور اس کے بعد پورا دستورِ حکومت لکھ دیا کہ صبح قیامت تک کے لیے جس کو حکومت کرنا ہو، وہ علیؑ کے اس دستور کو دیکھے۔ علیؑ کے زمانے میں نظامِ عدل قائم ہوا۔ علیؑ کے زمانے میں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بیوہ عورتیں، یتیم بچے، غریب لوگ بے کھٹکے، بے روک ٹوک مولا علیؑ کی خدمت میں ان کے اپنی دادرسی چاہتے تھے۔ علیؑ راستے سے گزر رہے ہیں۔ ایک کنیز کھڑی رو رہی ہے، علیؑ رُک گئے۔

کنیزِ خدا کیوں رو رہی ہے؟ کیا بات ہے؟

وہ کہتی ہے: میرے مالک نے مجھ سے کھجوریں منگوائی تھیں، میں لے کے گئی تھی اس دکان سے اس کو پسند نہیں آئی۔ اس نے کہا: جا کے واپس کرو۔ دکاندار واپس نہیں لے رہا ہے۔ میں اپنی مصیبت پر رو رہی ہوں کہ یہ واپس کرنے پہ تیار نہیں، یہاں سے واپس جاؤں گی تو وہ مجھے سزا دے گا، اس لیے کہ میرا مالک بدمزاج آدمی ہے۔ اس پریشانی میں ہوں میں۔

کہا: میرے ساتھ آ، ساتھ میں لے کے اس کھجور والے کی دکان پر گئے۔ کہا: بھائی یہ کنیز بڑی کمزور ہے اس کا مالک بدمزاج آدمی ہے۔ اگر تیرا مال خراب نہیں ہوا ہو اور کم نہیں ہوا ہو تو واپس کر لے۔ اس پر رحم کھا۔ اکھڑ عرب، بدمزاج، کہا: جاؤ جاؤ تم کون ہوتے ہو ہمارے تجارتی معاملے میں دخل دینے والے؟ پڑوس کی دکان سے دکان دار کود کے آیا۔ اس کا گریبان پکڑ کے کہہ رہا ہے کس سے بات کر رہا ہے؟ امیر المومنینؑ ۔ کانپنے لگا: اس لیے کہ امیر المومنینؑ ہونا ایک الگ بات ہے، فاتحِ خیبر بھی ہیں، وہاں خالی امیر المومنین نہیں ہیں، ہاتھ پکڑ لیں تو دم ہی نکل جائے۔ جھکا پیروں پہ حالت اس کی تباہ ہوئی، مولاؑ مجھے معاف کر دیجیے میں پہچانتا نہیں۔

کہا: بس معاف کرنے کی ایک ہی صورت ہے، صحیح ناپ تول کیا کرو، گاہکوں

سے اچھا سلوک کرو، بجھ لو میں نے معاف کر دیا۔ مجبور واپس ہو گئی۔ مولا علیؑ تشریف لے گئے۔ یہ علیؑ کا زمانہ تھا لیکن عزیزانِ گرامی! اس کے ساتھ ساتھ علیؑ اتنا وقت نکال لیتے تھے کہ لوگوں کو درسِ شریعت بھی دیتے تھے، حدیث نبویؐ بھی بیان کرتے تھے، تفسیر قرآن بھی بیان کرتے تھے۔ اسلام و ایمان کے مسائل کے.......... بھی دنیا کو سمجھاتے تھے، اور آج تک ہمارے پاس اگر کوئی شے ہے اس دور کی تو ایک علیؑ کی نہج البلاغہ ہے اور کچھ نہیں۔

غور فرمایا آپ نے ـــــ!

وہ ایمان افروز خطبات بھی ہیں جو لوگوں کے ایمان کو تازگی دے دیں، اور انسان کے ایمان کو جلا بخشیں۔ مولا علیؑ کا دورِ حکومت، علیؑ نے زمامِ حکومت سنبھالی اور کچھ لوگوں کو علیؑ سے اختلاف ہوا، اور ایک ایسا الزام علیؑ پر لگایا کہ جس کا کوئی تعلق علیؑ سے نہ تھا۔ سیاسی فائدہ اٹھانے کے لیے گذشتہ خلیفہ کا الزام علیؑ کے سر رکھ کے، علیؑ کے خلاف لشکر تیار کیا گیا۔ تاریخ اس موقع کو اتنا خاموشی سے دیکھ لیتی ہے اور اس طریقے سے گزر جاتی ہے کہ جیسے کوئی بات ہی نہیں ہے۔ اگر ہم کسی بزرگ پر اصولی تنقید بھی کرتے ہیں تو ہم پر مناظرہ بازی اور دل آزاری کا الزام لگایا جاتا ہے۔ لیکن ان مسلمانوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا جو ایک خلیفہ کے سامنے ایک صحابی کے سامنے، ایک رسولؐ کے عزیز کے سامنے تلوار لے کے میدان میں آ گئے۔ وہ کیسا دور تھا اور وہ کیسے افراد تھے کہ جو تلوار لے کے میدان میں علیؑ کے سامنے آ گئے۔ اور تاریخ نے اُن علیؑ کو ایک بار پھر للکارا جو رسولؐ کی رحلت کے بعد تلوار کو نیام میں رکھ چکے تھے۔

میرے دوستو ـــــ!

یہ بھی آپ اپنے ذہن میں رکھیں کہ انسان پچیس برس کے سن میں کچھ اور ہوتا ہے چھبیس ستائیس میں کچھ اور ہوتا ہے، تیس برس میں اور ہوتا ہے، ساٹھ برس کے سن

میں اور ہو جاتا ہے اور پھر جبکہ اس کی کوئی غذا بھی نہ ہو، جبکہ اس کو فاقوں پہ فاقے بھی کرنا پڑیں، جبکہ وہ سال سال بھر روزے سے بھی گزار دے۔ وہ علیؑ جو چوبیس برس کے سن میں میدانِ بدر میں کھڑے تھے، اور چھبیس برس کے سن میں اُحد میں تلوار چلا رہے تھے، ان کو لگ بھگ اسٹھ برس کے سن میں دنیا نے پھر میدان میں للکارا۔ اور اب جو علیؑ آئے تو اسی شان سے آئے جس شان سے بدر و اُحد میں آئے تھے۔

تاریخ کہتی ہے کہ علیؑ کو جب لوگوں نے للکارا ہے میدان میں تو مولا علیؑ اپنا لشکر لیے ہوئے بصرہ کے قریب آئے اور ایک منزل پر پہلے آ کے ٹھہر گئے۔ اور صبح کو پیغام بھیجا کہ امن و صلح رکھو، میرا مقابلہ نہ کرو، مجھ سے نہ لڑو، لوگوں نے اس پیغام کو کمزوری محمول کیا، اور یہ سمجھے کہ علیؑ ڈر گئے ہیں، اور علیؑ کے اس پیغامِ امن کو کمزوری پہ محمول کر کے ایک گیت کی شکل دے دی گئی، اور وہ گیت یہ تھا کہ کیا خبر علیؑ سفر میں ہے، اس فرس کی طرح کہ اگر آگے بڑھیں تو اس کی ٹانگیں کٹ جائیں، اگر پیچھے ہٹے تو مار ڈالا جائے۔ اور یہ ایک گھر میں گایا گیا۔

اب یہ تاریخ سے پوچھیے کہ وہ گھر کون سا تھا؟ تو تاریخ بتاتی ہے کہ یہ گیت ہو رہا تھا ایک گھر میں، اور اُدھر جنابِ اُم کلثوم کو خبر ہوئی اور وہ داخل ہو گئیں وہاں، اور انھوں نے جا کے ڈانٹا، کہ یہ کیا ہو رہا ہے، اور فرمانے لگیں: یہ پہلا موقع نہیں ہے جو تم گیت گا رہی ہو، جنگِ اُحد یاد دلا دی، جب کوئی گیت گاتی ہوئی آئی تھیں کسی کی دادی، اب کسی کی کیا یزید کی دادی ——— (صلوات)

یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ تم گیت گا رہی ہو، اس سے پہلے بھی گائے گئے ہیں مگر اس لڑائی کا انجام بھی ویسا ہی ہوگا، اور اس کے بعد خدا کی قسم! مولا علیؑ نے کوئی امکانی صورت چھوڑی نہیں کہ مسلمانوں کے درمیان تلوار نہ چلے۔ ان کو ہر طرح سمجھایا بجھایا۔ رسولؐ کی حدیثیں یاد دلائیں، قرآن کی آیتیں یاد دلائیں، مگر وہ لوگ

اپنے مطالبے سے باز نہ آئے، تو تاریخ بتاتی ہے کہ شیرِ خدا نے اپنے لشکر کے جوانوں پہ نظر ڈالی، کہا تم میں کوئی ہے ایسا جو میری طرف سے جا کے اس لشکر پہ اتمامِ حجت کرے، اور قرآن لے کے جائے ان کے سامنے، اور قرآن کی طرف دعوت دے کے کہیں کہ جنگ نہ کریں؟ مگر ایک بات سمجھ لو، جو جائے گا اس کی جان کے لیے خطرہ ہے۔ یہ واضح کر دیا آپ نے کہ جو جائے گا اس کی جان کو خطرہ ہے۔ اللہ رحمت نازل کرے ایک نوجوان پر کہ جس کا دل جذبۂ شہادت سے معمور تھا۔ اس نے کہا: یا علیؑ! میں حاضر ہوں۔ کہا: یہ سمجھ لے کہ زندہ آنا تمہارا ممکن نہیں ہے۔ کہا: مولا شہادت تو ہوگی؟ کہا: بے شک۔ کہا: میں حاضر ہوں۔ قرآن دیا، کہا جا کے اس قرآن کی طرف بلاؤ۔ وہ نوجوان ہاتھوں پہ قرآن لیے ہوئے مسلمانوں کے لشکر کے قریب ہوا۔ اس لشکر کے جو علیؑ سے لڑنے آیا تھا اور جا کے آواز دی: امیر المومنین علی تمہیں اس قرآن کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ تیروں کی بوچھاڑ پڑی اس پر، اور آگے بڑھ کے کسی نے اسی کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے۔ قرآن پاک کا نسخہ زمین پہ گرا، تیروں کی بوچھاڑ سے اس کی میت وہاں پہ گری۔ مولا علیؑ کے صحابی دوڑے، قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے نسخے کو اور نوجوان کی میت کو علیؑ کے سامنے لائے۔ کہا: یا علیؑ! یہ انجام ہوا۔ آپؑ نے آسمان کی طرف سر بلند کیا، خدا سے مناجات کی۔ فرمایا: حجت تمام ہوگئی۔ اب تلوار چلانے کی اجازت ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اِدھر علیؑ نے تلوار چلانے کی اجازت دی، اور اُدھر ناصرانِ حق کی اٹھی ہوئی تلواریں، عبداللہ ابن جعفر، امام حسنؑ، محمد حنفیہ، حسینؑ ابن علیؑ، اور جانثاروں میں عمار یاسرؓ، جانثاروں میں مالکِ اشترؓ، جانثاروں میں محمد ابن ابی بکرؓ، تلواروں سے تلواریں ٹکرانے لگیں اور قیامت کا رَن پڑا مقتل میں، میرے پاس وقت ہوتا تو میں جنگ کی پوری تصویر کھینچ کے دکھا دیتا لیکن تاریخ یہ بتاتی ہے کہ

تھوڑی ہی دیر میں لڑائی کا نقشہ بدل گیا، اور جنگ کے بادل جو ٹوٹ کے آئے ہوئے تھے علیؑ کے اُوپر وہ چھٹنا شروع ہوئے، اور یہی وہ لڑائی تھی جس میں علیؑ نے اپنے بہادر بیٹے محمدؒ کو بڑھایا تھا آگے، اور کہا تھا:

تَقَدَّمْ یَابُنَیَّا "میرے لال آگے بڑھ"۔

پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو نہ ہٹنا، اپنے پیروں کو زمین کے اندر نصب کر دینا، اپنے سر کو راہِ خدا میں عاریتاً دے دینا۔ میرے لال! خیال رہے کہ فتح و نصرت اللہ بلند و بالا کی طرف سے ہے، محمدؒ چند قدم آگے بڑھے، تیروں کی بارش تیز ہوئی محمدؒ کے قدم رُکے، علیؑ پھر اس طرف سے گزرے، پشت پر ہاتھ رکھ کے کہا: تَقَدَّمْ "آگے بڑھو"۔ محمدؒ پھر آگے بڑھے۔ تیر اور تیز ہوئے۔ پھر قدم رُکے۔ یہ منظر حسنؑ مجتبیٰؑ دیکھ رہے تھے، ایک دفعہ تلوار نکالی، آگے بڑھنا شروع کیا۔ تیروں کی بارش تیز ہوئی، حسنؑ کی رفتار تیز ہوئی، تیروں کی رفتار اور تیز ہوئی۔ حسنؑ کی رفتار اور تیز ہوئی اور حسنؑ قلب لشکر میں اُتر کے لڑنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں لڑائی کی منزل کو تمام کر دیا، سر جھکائے ہوئے اپنے باپ کے پہلو میں آ کے کھڑے ہو گئے۔ لڑائی ختم ہو گئی۔ محمد حنفیہؒ کے ماتھے پہ پسینہ جاری ہے، نظریں جھکی ہوئی، شرمندگی، علیؑ نے محمدؒ کو دیکھا، میرے لال محمدؒ کیا شرما رہا ہے؟ کیا یہ سوچ رہا ہے کہ جو تجھ سے نہ ہو سکا وہ حسنؑ نے کر دکھایا۔ میرے بیٹے محمدؒ شرما نہیں، مقابلہ دو برابر کی طاقتوں میں ہوتا ہے، تیرا حسنؑ کا کوئی مقابلہ نہیں، تو میرا بیٹا ہے، وہ رسولؐ اللہ کا بیٹا ہے ـــــ (صلواۃ)

ایک لڑائی میں حسنؑ کے بازوؤں کی طاقت بھی معلوم ہوئی، رسولؐ کے بازوؤں کی طاقت بھی معلوم ہوئی۔ مولا علیؑ نے اپنے مخالف کے ساتھ اور اپنے دشمن کے ساتھ جو شریفانہ سلوک کیا ہے وہ تاریخ کے اندر ہمیشہ یادگار رہے گا۔

چونکہ اس لڑائی میں سربراہی جس معظمہ کی تھی ان کی عظمت کو بہرحال مدنظر

رکھنا تھا، لہٰذا مولا علیؑ نے کوئی ایک موقع ایسا چھوڑا نہیں، جو ان کے عزت و احترام کو مد نظر نہ رکھا ہو، اور تاریخ سے پوچھئے میں کیا بتاؤں کہ علیؑ نے اپنے مخالفین کے ساتھ کس طرح کا فیاضانہ سلوک کیا، اور کس طرح سے ان کے عزت و احترام و وقار کا احترام کیا۔ علیؑ کی اس دشمن نوازی کے بعد بھی لوگوں کو علیؑ کی قدر نہ ہوئی، اور شام کے حاکم نے علیؑ کا اقتدار اعلیٰ نہ تسلیم کرتے ہوئے علیؑ کے سامنے میدان میں آ کے مقابلہ کیا۔

عزیزانِ گرامی ــــــ!

میں ان مجلسوں میں جو جو بول رہا ہوں بہت ناپ تول کے بول رہا ہوں، اور بہت دشوار منزل سے گزر رہا ہوں، لیکن ایک مسئلہ ہماری سمجھ میں آ گیا، اور وہ آپ بھی سمجھ لیں کہ بعد رسولؐ ہم کس پر بھروسہ کریں؟ انھوں نے کہا کہ صحابہ کرام سے پوچھئے۔ تو اگر صحابہ ہی میں آپس میں جھگڑا ہو جائے تو ہم کیا کریں؟ ازواجِ رسولؐ سے پوچھئے، تو اگر زوجہ و خلیفہ میں ٹکراؤ ہو جائے تو ہم کیا کریں۔

لیکن جب جنگ کے بادل چھٹے، اور حالات نارمل ہوئے، اور محققین و مورخین، لکھنے والے، علماء سب کے دل و دماغ ٹھکانے آئے تو انھوں نے کہا کہ ہم اس لڑائی میں کسی کی مذمت تو نہیں کر سکتے لیکن یہ جانتے ہیں کہ حق علیؑ کے ساتھ تھا۔ اب رہ گیا یہ کہ جمل میں جنھوں نے مقابلہ کیا، یا صفین میں جنھوں نے مقابلہ کیا ان سے غلطی تو ہوئی مگر خطائے اجتہادی ہوئی۔

لہٰذا وہ قابلِ مذمت تو نہیں ہیں مگر خطا انھی سے ہوئی اور حق پہ علیؑ تھے اب تو حق سمجھ لو کہ صحابیت ہو یا زوجیتِ رسولؐ ہو امکانِ خطا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ صحابی معصوم ہے، نہ زوجہ معصومہ ہے، معصوم ہے تو امامؑ ہے جس سے خطا ہو ہی نہیں سکتی ــــــ (صلوٰۃ)

وقت تمام ہے، ہو سکتا ہے کہ آج کے مضمون کا کچھ ٹکڑا کل پڑھوں۔ وقت کی

تنگی کے سبب، علیؑ نے ایک احسان عالمِ اسلام پر اور کیا۔ وہ بھی سن لیجیے اور اس کی بھی مسلمانوں کو قدر کرنا چاہیے۔ پہلی تین خلافتوں میں مدینہ کیپٹل رہا۔ علیؑ نے کیپٹل شفٹ کیا کوفہ۔ مدینہ کی عزت و آبرو بچانے کا یہ بہترین طریقہ تھا۔ اس لیے کہ مدینہ ہے حرمِ رسولؐ، یہاں کشت و خون جائز نہیں ہے، اور جو کسی ملک کا کیپٹل ہوتا ہے وہاں لڑائی ضرور ہوتی ہے۔ وہ لڑائی سے بچ نہیں سکتا۔ علیؑ نے مدینے کو کیپٹل سے شفٹ کر کے، ہمیشہ کے لیے مدینہ اور مدینہ کے رہنے والوں پر احسان کیا کہ وہ امن کی زندگی گزاریں اور وہاں فساد نہ ہو۔

سنا آپ نے؟ علیؑ کوفہ چلے گئے بصرہ کی لڑائی فتح کر کے پھر مدینے واپس نہیں آئے بلکہ کوفہ میں قیام کیا اور اس کے بعد صفین۔ کہ میدان میں للکارے گئے علیؑ۔ تو تاریخ بتاتی ہے کہ مولا علیؑ اٹھے، باسٹھ سال کی عمر میں پھر تلوار لیے ہوئے میدان میں اُترے۔ دشمن کا لشکر کچھ پہلے پہنچا، اور یہی فرات کا کنارہ تھا، یہی دریائے فرات تھا جو شام سے بہتا ہوا عراق میں آتا ہے، اس کے گھاٹ کو دشمن نے روک دیا، علیؑ کا لشکر پیاسا ہوا۔ کہا: دشمن پانی نہیں لینے دے رہا ہے۔

روایت بتاتی ہے کہ علیؑ نے اجازت دی کہ گھاٹ چھین لو، شہزادے بڑھ گئے پہلے، امام حسنؑ اور بعض روایتوں میں امام حسینؑ کا نام لکھا ہے۔ مالکِ اشترؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ امام حسنؑ چلے گئے ہیں تو روایت میں ہے کہ گھوڑے پر زین بھی نہیں کسی، گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ کے دوڑے ہیں مالکِ اشترؓ۔ جب پہنچے گھاٹ پر قبضہ ہو چکا تھا۔ کہا: میرے ہوتے آپ کیوں آئے؟ شہزادوں کو وہاں سے ہٹا دیا، خود کمان سنبھال لی۔ خبردار پانی نہ لینے دینا کسی کو، یہ خبر اُدھر کیمپ میں پہنچی کہ علیؑ کی فوج نے ہم سے لڑ کے گھاٹ چھین لیا ہے، اور مالک اشتر نے آرڈر کر دیا ہے کہ پانی نہ لینے دینا کسی کو۔ اُن کا سردار سن کے ہنسا، کہا: تم پرواہ نہ کرو میرے پاس اس کی

ترکیب ہے۔ اپنے کچھ توجوانوں کو بلایا، کہا: ساغر ہاتھ میں لے۔ جا کے علیؑ کے خیمے کے گرد العطش پکارو، جب علیؑ نکل کے آئیں گے تو کہنا کہ آپ کی فوج پانی نہیں لینے دیتی۔ یہی کیا، العطش کی آوازیں بلند ہوئیں؟ علیؑ خیمے سے نکلے، کہا: کیا بات ہے تم نے گھاٹ چھین لیا؟ کہا: ہم آپ کے فوجی نہیں ہیں، آپ کے دشمن کے فوجی ہیں۔ آپ کا لشکر ہمیں پانی نہیں پینے دے رہا ہے۔

ساقیٔ کوثر کے قربان آرڈر بھیجا کہ دریا پہ کسی کا قبضہ نہیں رہے گا۔ دریا سے دونوں پانی پئیں۔ بس آج اس سے زیادہ دامنِ وقت میں گنجائش نہیں ہے۔ پھر کل سہی اگر زندگی رہی، آج تو بس کہ صفین کی لڑائی ہو رہی ہے اور گھمسان کے رَن پڑ رہے ہیں اور مولا علیؑ کے شاگرد وعزیز ابن عباسؓ بھی میدان میں لڑ رہے ہیں۔

تاریخ کہتی ہے کہ انھوں نے ایک جنگی نوجوان کو میدان میں کھڑے کھڑے مار ڈالا۔ اس کا دوسرا بھائی آیا سامنے اس کو مار ڈالا۔ اس کا تیسرا بھائی آیا سامنے اس کو مار ڈالا۔ اس کا چوتھا بھائی آیا اس کو مار ڈالا۔ جب چار کیے بعد دیگرے مار ڈالے تو ان کا باپ میدان میں نکل کے آیا۔ علیؑ لڑائی دیکھ رہے ہیں، آواز دی: ابن عباسؓ واپس آؤ۔ ابن عباسؓ واپس آگئے۔ علیؑ خیمے سے یوں نکلے کہ چہرے پہ نقاب ڈالے ہوئے تھے۔ لوگ سمجھے ابن عباسؓ خیمے میں واپس جا کے نکلے ہیں تازہ دم ہو کے، دشمن کو تو علیؑ نے بتا دیا کہ میں کون ہوں مگر لشکر نہیں سمجھے دور پر تھے۔ لشکر سمجھے ابن عباسؓ ہیں اور ایک مرتبہ دونوں لشکروں نے دیکھا اِدھر اُدھر کے، کہ اس نے وار کیا ان پر ابن عباسؓ پر (جو کہ علیؑ ہیں) اور انھوں نے وار کو خالی کیا، اس نے پھر وار کیا، انھوں نے پھر وار خالی دیا، اس نے پھر وار کیا۔ انھوں نے پھر اس وار کو بچا لیا۔ اب اس کے بعد لشکروں نے دیکھا کہ ان کی تلوار چلی اور ہوا میں چل کے رہ گئی۔ وار خالی گیا، یعنی ابن عباسؓ کی تلوار کو لوگوں نے دیکھا کہ وہ چلی مگر ان کا وار بھی خالی گیا،

اور دو تین سیکنڈ کے بعد جب اُس کے گھوڑے نے حرکت کی تو اس کے جسم پہ سے سر الگ کر گیا، یعنی ہاتھ اتنا سبک اور اتنا تیز کہ گردن کٹ تو گئی مگر رکھی رہی یونہی۔ یہ جو ہاتھ دیکھا تو لشکرِ شام میں ہلڑ ہو گیا کہ یہ ابن عباسؓ نہیں علیؑ ہیں۔ اس لیے کہ یہ علیؑ کے علاوہ دوسرے کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ کچھ نے کہا کہ نہیں ابن عباسؓ ہیں۔ تو اب یہ نہ پوچھیے کہ اس سے مسئلہ کیا ہوا؟ یہ بڑا مسئلہ تھا جب علیؑ لشکر میں ہوتے تھے کہ یہ علیؑ ہیں کہ نہیں؟ اس لیے کہ اگر علیؑ نہ ہوں تو کسی کو بھیجا جائے، اور اگر علیؑ ہوں تو بھاگا جائے، کہا: علیؑ ہیں کہ نہیں؟ یہ مسئلہ تھا ان کے سردار کو خبر ہوئی۔

آ گیا سامنے، کیا معاملہ ہے؟ کہا: یہ ہوا ہے، یہ جو سامنے شخص کھڑا ہے ابن عباسؓ ہے کہ علیؑ ہیں۔ پتہ نہیں لگ رہا ہے۔ چہرے پر نقاب پڑی ہے۔ پورے سر سے پاؤں تک لباس ہے۔ پتہ نہیں لگ رہا ہے کہ کون ہے، وہ پہچانتا تھا۔ سردار پہچانتا تھا علیؑ کو۔ اس لیے پہچانتا تھا کہ اس کا پورا خاندان علیؑ کی تلوار چاٹے بیٹھا تھا۔ کہا: جھگڑا مت کرو میں ترکیب بتاتا ہوں۔ سارا لشکر مل کے حملہ کرے اگر ابن عباسؓ ہوں گے تو وہ خود پیچھے ہٹ جائیں گے، علیؑ ہوں گے تو لشکر پیچھے ہٹے گا، یہ دشمن علیؑ کی پہچان بتا رہا ہے۔ لشکر نے گھیرا ڈالا۔ علیؑ نے قبا کے دامن گردانے، لشکر نے گھیرا تنگ کیا، علیؑ نے تلوار بلند کی، لشکر قریب آیا، علیؑ نے میدان میں گھوڑے کو گول چکر دینا شروع کیے، صفوں کے سر گرنے لگے، لشکر پیچھے ہٹنے لگا۔ سردار چلانے لگا، پلٹ آؤ پہچان لیا علیؑ ہیں۔ بس آج یہیں پر تمام، اسی لڑائی کا ایک نقشہ ہمیں کربلا کے میدان میں دکھائی دیا۔

ذکرِ مصائب!

عزیزو! آج ساتویں آ گئی، ساتویں رات آپ حضرت قاسمؑ کا ماتم

کرتے ہیں۔ حسینؑ کا وہ کم سن بھتیجا، جس کے بازو پہ تعویذ زندہ رہنے کے لیے نہیں باندھا گیا، شہید ہونے کے لیے باندھا گیا تھا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ازرق شامی کے چار لڑکے تھے، چاروں ایک ایک کر کے قاسمؑ نے مار ڈالے۔ علیؑ کا لشکر سیر و سیراب تھا۔ ابن عباسؓ جوان تھے بھرپور، جب صفین کی لڑائی ہو رہی تھی، مگر علیؑ نے ہٹا لیا اپنے سپاہی کو، لیکن جب ازرق شامی کے چار بیٹوں کو مار کے قاسمؑ میدان میں ٹھہرے رہے، اور ازرق خود آیا تو حسینؑ نے اپنا سپاہی واپس نہیں بلایا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ وہی تیرہ برس کا کمسن سپاہی اسی شان سے لڑتا رہا، آج قاسمؑ کی شہادت پڑھی جاتی ہے۔

عزیزانِ گرامی ـــــ! حسینؑ بھتیجے کو بہت چاہتے تھے، عاشور کے دن قاسمؑ نے عجب انداز سے اجازت لی۔ چچا کے پاس آئے، چچا کے دونوں ہاتھوں کو لے کر چومنا شروع کیا، اور رونا شروع کیا۔ روایت بتاتی ہے کہ کسی شہید کو رخصت کرتے وقت حسینؑ اتنا نہیں روئے، جتنا قاسمؑ کو رخصت کرتے وقت روئے ہیں۔ میں کہتا ہوں مولاؑ! کیا بھائی حسنؑ یاد آ گئے، اَجرُکُم عَلَی اللّٰہِ۔

تیرہ برس کا کمسن بھتیجا چچا سے مرنے کی اجازت مانگ رہا ہے۔ حسینؑ نے کلیجہ تھام کے اجازت دی۔ قاسمؑ گھوڑے پہ بیٹھے، میں نے روایت میں پڑھا اور میں ہر سال پڑھتا ہوں، مجھے نہیں معلوم مصلحت کیا تھی، مگر حسینؑ نے آگے بڑھ کے قاسمؑ کا گریبان چاک کر دیا۔ یہ کمسن بچہ میدانِ جنگ میں اپنے چچا کی نصرت کو چلا۔ رجز پہ ... ہر تھے کہ کیا تم مجھے نہیں جانتے؟ میں قاسمؑ ہوں، حسنؑ کا بیٹا، علیؑ کا پوتا۔ دشمن کہتا ہے: قاسمؑ اتنے خوبصورت تھے جیسے چاند کا ٹکڑا۔ اے کربلا کی زمین! تیرے اُوپر کیسے کیسے چاند ڈوب گئے۔ لیلیٰؑ کا چاند، اُم فروہؑ کا چاند، ربابؑ کا چاند، بنی ہاشمؑ کا چاند، فاطمہؑ کی گود کا پلا چاند۔ ہائے کربلا میں کیسے کیسے چاند ڈوب گئے۔ بڑی شان

سے لڑ رہے ہیں قاسمؑ۔ جدھر نکل جاتے تھے کشتے کے کشتے لگ جاتے تھے۔ سر پر سر گر رہے تھے۔ یہ قاسمؑ نہیں لڑ رہے تھے، یہ حسنؑ کے دل کے گھٹے ہوئے جذبات جہاد لڑ رہے تھے۔ تلوار چل رہی ہے، قاسمؑ لڑ رہے ہیں، چاند کا ٹکڑا کبھی شام کے بادلوں میں چھپتا ہے اور کبھی نمایاں ہوتا ہے۔ کھڑے کھڑے ازرق شامی اور اس کے چار بیٹوں کو مار ڈالا۔ ایک لعین بلندی سے لڑائی دیکھ رہا ہے۔ اُس نے کہا کہ یہ لوگ غلط لڑ رہے ہیں جو سامنے سے لڑ رہے ہیں بنی ہاشم ہمیشہ دھوکے سے مارے جاتے ہیں۔

حمید کہتا ہے: میں نے اس سے کہا کہ جو اتنے اس کی جان کو گھیرے ہوئے ہیں کیا کم ہیں جو تو بھی جا رہا ہے۔ اس نے کہا: نہیں یہ غلط لڑ رہے ہیں اور وہ پیچھے پیچھے چلا۔ موقع کی تلاش میں، چوروں کی طرح چھپتا ہوا، اور ایک موقع پر اس نے وہ حملہ کیا جو جنگِ اُحد میں حضرت حمزہؑ پہ ہوا تھا، یعنی نیزہ کھینچ کے مارا۔ پہلو سے پار ہو گیا۔ قاسمؑ گھوڑے پہ ڈگمگا کے گرے۔ آواز دی: چچا! سنئے! تاریخ بتاتی ہے کہ ہر شہید نے ایک مرتبہ پکارا۔ قاسمؑ بار بار پکار رہے تھے:

یا عماہ یا عماہ! ـــــ "اے چچا، اے چچا!"

تاریخ میں ہے کہ حسینؑ کسی شہید کے جنازے پہ اتنا تیز نہیں گئے جتنا قاسمؑ کے جنازے پہ گئے۔ مگر جب پہنچے تو قاسمؑ دنیا سے جا چکے تھے۔ لاش کے پاس بیٹھے منہ پہ منہ رکھا، ارے قاسمؑ! تیرا چچا آ گیا۔

ہاں عزادارو! بس ختم ہو رہی ہے مجلس، ہر سال میں ایک روایت پڑھتا ہوں یہ وہ سن لیجیے مجلس تمام کر دوں۔ ہر شہید کی میت حسینؑ یونہی لے آئے مگر جب قاسمؑ کی میت اُٹھانے کا وقت آیا، چٹائی طلب کی۔ ارے حسنؑ کے دل کے ٹکڑے، یہ فاطمہؑ کے دل کے ٹکڑے، یہ محمدؐ کے دل کے ٹکڑے ہیں۔

اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰہِ عَلَى الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ

مجلسِ ہشتم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

خداوند عالم قرآنِ مجید میں ارشاد فرما رہا ہے کہ "یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔ سلسلۂ کلام ذہن عالی میں ہوگا۔ ہمارے آپ کے درمیان تاریخ اسلام پر گفتگو ہے۔ اا ہجری سے ۶۱ ہجری تک۔ کل کی مجلس میں مَیں نے آپ کے سامنے مولا علیؑ کے دورِ حکومت کا تذکرہ کیا تھا مگر بات نا تمام رہی تھی۔ جس کو آج تمام کرنا ہے۔ ہم ابھی صفین کی لڑائی میں تھے کہ وقت تمام ہو گیا تھا اور بات آگے نہیں بڑھ پائی تھی۔ میں اپنی بات کو آج ان شاء اللہ آگے بڑھاؤں گا۔ مولا علیؑ نے جس سے مقابلہ کیا ہے اور عالم اسلام نے اس معاملے میں جس طرح ناانصافی کا ثبوت دیا ہے وہ تاریخ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ علیؑ کون تھے، علیؑ کیا تھے، کیا دنیا اس کو بھول گئی یا بھول سکتی ہے؟ اگر ہم یہ مان لیں کہ شام والے تو مسلم علیؑ کے مرتبے سے ناواقف تھے تو پرانے لوگوں کو بعد میں کیا ہو گیا تھا جو فلسفہ نہ سمجھ سکے؟ یعنی اگر اس وقت دولت کی تمنا تھی حکومت کی لالچ تھی۔ اقتدار کی آرزو تھی مال و زر کی خواہش تھی۔ کسی نے اپنے ایمان کو بیچا، کسی نے اپنی جان کو بچایا، اس لیے کہ لوگ اہلِ بیتؑ کا ساتھ نہ دیں، حالانکہ یہ کوئی عذر نہیں ہے۔ اس لیے یہ بات میں آپ کے سامنے عرض

کردوں، حق کے معاملے میں کربلا کے بعد اب کسی کو یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ ہماری جان خطرے میں تھی اس لیے ہم چپ رہ گئے۔ یا ہمارا مال خطرے میں تھا اس لیے ہم چپ رہ گئے۔

عزیزانِ گرامی ــــــ!

تلاشِ حق بہت بڑی منزل ہے۔ سچائی ڈھونڈو، حقیقت تلاش کرو۔ دینِ حق کو تلاش کرو، صراطِ مستقیم کو تلاش کرو، حق کو حق کہو، باطل کو باطل کہو، سچ کو سچ کہو، جھوٹ کو جھوٹ کہو، ظالم کو ظالم کہو، عادل کو عادل کہو، اور اس سے نہ ڈرو کہ سامنے والے کی طاقت کتنی زیادہ ہے۔ اس سے نہ گھبراؤ کہ سامنے والے کے پاس دولت ہے، حکومت ہے کہ اقتدار ہے کہ تاج ہے کہ تخت ہے۔ کیا کربلا کا واقعہ دل کو اطمینان دلانے کے لیے کافی نہیں ہے؟

حسینؑ نے یہی تو دنیا کو سبق دیا ہے کہ کبھی لڑائی میں یہ نہ سوچنا کہ اس لیے ہار جاؤ گے کہ تمہارے پاس طاقت کم ہے، اور سامنے والا اس لیے جیت جائے گا کہ اس کے پاس طاقت زیادہ ہے۔ ہار جیت کبھی طاقت پہ نہیں ہوتی، ہمیشہ حق و باطل پہ ہوتی ہے جو حق پر ہو وہ جیتتا ہے جو باطل پر ہو وہ ہارتا ہے۔ یزید لاکھوں کا لشکر لے کر بھی ہار گیا، حسینؑ بہتر کا لشکر لا کے بھی جیت گئے۔

تو میرے دوستو ــــــ!

قابلِ غور منزل یہ ہے کہ اب اگر کوئی کہتا ہے کہ ہماری جان خطرے میں ہے، اس لیے ہم چپ ہیں۔ ہمارا مال خطرے میں ہے اس لیے ہم چپ ہیں۔ ہماری اولاد خطرے میں ہے اس لیے ہم چپ ہیں تو وہ ایک ایسی بات کہہ رہا ہے کہ جس کو کہتے ہوئے اس کو شرم آنا چاہیے لیکن خیر انسانی کمزوریاں ہوتی ہیں اور ہر آدمی ان کمزوریوں پہ قابو نہیں پاسکتا، لہٰذا جس کو جائیداد کی تمنا تھی جس کو صلہ کی اُمید تھی، جس

کو مال کی آرزو تھی، جس کو اپنی اولاد کی ترقی چاہیے تھی، جس کو اپنی زندگی پیاری تھی، اس نے حق کا ساتھ نہیں دیا، لیکن جب تک باطل کے پاس تلوار رہی یہ بات اسی وقت تو تھی۔ اب تو آزادی کا زمانہ آیا۔ اب تو کوئی دولت دینے والا نہیں ہے۔ اب تو کہیں سے ملک رے ملنے کی اُمید نہیں۔ اب تو کسی عمر سعد کا لشکر نہیں آ رہا ہے، اب تو کہیں کا گورنر ابن زیاد نہیں ہے۔ اب تو حق کو حق فرمایئے۔ تو اب جس راستے پر جس کا جی چاہے چلے۔ کوئی پابندی نہیں ہے مگر خدا کو جواب دینے کے واسطے اپنے کو تیار کر لے، بس اتنی سی بات ورنہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ "دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں"۔ زبردستی نہیں ہے کہ آپ کسی مجلس میں آیئے۔ دروازے کھلے ہیں، زبردستی نہیں ہے کہ آپ یہیں آیئے، جس کا جب جی چاہے اُٹھ کے چلا جائے، نہ بلانے میں زیادتی ہے نہ آنے کے بعد جانے پہ پابندی ہے، نہ سڑک کے دوسرے راستے بند ہیں مگر یہ بات طے شدہ ہے کہ عقل کے چراغ سے منزل کو تلاش کر لو کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ کاش دنیا یہ سوچے کہ وہ علیؑ کون تھے جن سے دنیا مقابلہ کر رہی تھی۔

میں آج ایک عجیب بات پڑھ کے جاؤں گا جوان شاء اللہ یاد رہے گی بچوں کو۔

علیؑ سے شام کا لشکر ٹکرا رہا ہے، علیؑ کون تھے؟ یہ علیؑ رسولؐ کے سگے چچازاد بھائی تھے۔ یہ علیؑ رسولؐ کے داماد تھے۔ ان علیؑ نے دعوت ذوالعشیرہ میں نصرت کا وعدہ کیا تھا۔ یہ علیؑ ہجرت کی شب جان بیچ کے سوئے تھے۔ ان علیؑ کو رسولؐ نے مثلِ اولاد کے پالا تھا۔ یہ فاتح بدر وحنین وخیبر وخندق تھے۔ یہ علیؑ صاحب فضائل تھے۔ ان کی شان میں قرآن میں آیتیں آئی ہیں، ان کی مدح میں حدیثیں آئی ہیں۔ ان کا شمار صحابۂ کبار میں بھی ہے، ان کا شمار اہلِ بیتؑ اطہار میں بھی ہے۔ ان کا شمار اولیاء اللہ میں بھی ہے۔ ایسے علیؑ کے مقابلے میں جو کسی دوسرے کو مان رہا ہو، ہم اس کی عقل ودانش پہ بھروسہ کیسے کریں؟

آج جو مسلمان کہتے ہیں کہ اہلِ بیتؑ ہی کو تم کیوں مانتے ہو اور بھی تو اسلام میں لوگ تھے؟ تو صدرِ اوّل میں ہم نے دیکھ تو لیا کہ جن میں اتنی تمیز نہ تھی کہ علیؑ اور غیر علیؑ میں پرکھ کر سکیں وہ حدیث کیا بتائیں گے، قرآن کیا بتائیں گے؟ (صلوٰۃ)

آج تو یہی علیؑ سے لڑیں گے اور کل کو راوی بن کے مفسرین کے محدث بن کے کتابوں میں چھپ جائیں گے۔ سینکڑوں برس بعد نام نکلیں گے تو کہا جائے گا۔ یہ رسولؐ سے پچیس برس بعد کے زمانے میں تھے۔ تیس برس بعد کے زمانے میں تھے۔ جلدی سے جھک جاؤ ان کے مصافحے کے لیے۔ ہم کیا کریں ہمیں اس سوسائٹی میں جب ایسے لوگ ملتے ہیں تو جب تک ہم پرکھ نہ لیں اچھی طرح، کیسے ہر پتھر کو ہیرا سمجھ کر سر پر رکھ لیں گے۔ (صلوٰۃ)

سنئے ہم حق علیؑ پڑھتے ہیں اور حق علیؑ حق اہلِ بیتؑ پڑھنے میں کسی کو اعتراض بھی نہیں ہونا چاہیے، کس کو اعتراض ہوگا؟ ایک طبقہ وہ ہے جو خالی فیشن میں یہ لکھا کرتا ہے اخباروں میں، اور تقریروں میں کہا کرتا ہے کہ مقررین اتحاد بین المسلمین کا خیال نہیں رکھتے، ہم سے بڑھ کے کون اتحاد کا خیال رکھے گا۔ ایک حرف بھی ہم ایسا نہیں کہتے ہیں منبر سے کہ جس سے کسی کے دل کو تکلیف پہنچے۔ ایک لفظ ایسا نہیں کہتے کہ کسی کو ٹھیس لگے، کوئی غیر اخلاقی لفظ ہم کبھی منبر سے استعمال ہی نہیں کرتے، اس لیے کہ ہمارے منبر کے لیے اس لفظ کا استعمال یہاں پر جائز ہے نہیں۔ تہذیبِ منبر یہ ہے کہ اعلیٰ معیار سے گرے ہوئے لفظ ہم منبر پہ نہیں استعمال کرتے۔

یہ بھی آپ کو سنا دوں کہ مسلمانوں کے جو دو فرقے ہیں ان میں کوئی جھگڑا بھی نہیں ہے۔ ہے نظریات میں اختلاف۔ ایسا نہیں کہ اختلاف نہ ہو، مگر جھگڑا نہیں ہے، کیونکہ دونوں علیؑ کو مانتے ہیں۔ ایک امامؑ مانتا ہے اور ایک خلیفہ مانتا ہے، یعنی دونوں کے یہاں نام علیؑ (کامن) ہے، یعنی دونوں فرقے علیؑ کو مانتے ہیں، اس لیے

ان میں کوئی جھگڑا نہیں ہے، ان میں احترامِ علیؑ ہے، جھگڑا وہ کرتے ہیں جو ان کو مانتے نہیں۔ جو علیؑ سے لڑتے تھے وہ نہ امامؑ مانتے ہیں نہ خلیفہ۔ (صلواۃ)

آپ غور کیجیے، خلفاء کی توہین اس مسلک میں قابلِ برداشت نہیں، آئمہؑ کی شان کے خلاف کہنا اِس مسلک میں قابلِ برداشت نہیں تو جب دونوں علیؑ کا احترام کرتے ہیں تو پہلے ان کا نام تو لے لیجیے جو علیؑ سے لڑتے تھے، اور جنھوں نے صفین میں مقابلہ کیا، ان کی پوزیشن علیؑ کے سامنے کیا تھی؟ یہ مجھ سے نہ پوچھیے اس لیے کہ اگر میں کہوں گا تو جھگڑا ہوگا۔ میں نے ایک دن اور نہج البلاغہ کا حوالہ دیا تھا۔ علیؑ کی زبانی سنئے کہ علیؑ کیا تھے، اور ان سے مقابلہ کرنے والے کیا تھے۔

نہج البلاغہ میں کہتے ہیں علیؑ کہ ہمارا تمہارا کیا مقابلہ، نبیؐ ہم میں سے تھا اور جھٹلانے والا تم میں سے تھا۔ خدا کا شیر ہم میں تھا، جھوٹے معاہدوں کا شیر تم میں تھا۔ جنت کی عورتوں کی سردار بی بی ہم میں تھی، جس کو قرآن نے لکڑیاں ڈھونے والی کہا۔ وہ تم میں تھی۔

مِنَّا سَيِّدَا شَبَابِ اَهلِ الجَنَّةِ، ''سردار نوجوانانِ جنت بچے ہم میں تھے''۔

جہنمی لڑکے تم میں تھے۔ یہ ہیں علیؑ کہ باسٹھ سال کی عمر میں لیلۃ الہریر میں، ساری رات تلوار چلاتے ہیں اور اس کے بعد جب فتح سَوا نیزے پہ رہ جاتی ہے اور دشمن قرآن بلند کرلیتا ہے نیزوں پر اور لوگ آن کے گھیر لیتے ہیں کہ یا علیؑ! بیچ میں قرآن آگئے ہیں تو فرمایا کہ یہ قرآن نہیں دھوکا ہے مگر لوگ نہیں مانے۔ کہا: اچھا تلوار روک لو، تلوار روک لی گئی۔ لڑائی بغیر کسی نتیجے کے ختم ہوگئی۔ میں کبھی اطمینان سے پڑھوں تو پورا عشرہ جنگِ صفین پر پڑھوں، لیکن مجھے تو بہت کچھ کہنا ہے اور وقت بہت مختصر، اب اس کے بعد تیسری مرتبہ علیؑ کو کچھ لوگ پھر میدان میں للکارتے ہیں، جو

دیکھنے میں بڑے مقدس ہیں۔ ہم نے اس پچاس برس کی تاریخ میں جس کو سلکٹ کیا، اسٹڈی کے لیے سارے منظر دیکھ لیے۔ اب ہمیں کوئی منظر دھوکہ نہیں دیتا، منہ پہ ڈاڑھیاں، ماتھے پہ گھٹے، گلے میں قرآن، مسجد میں ڈیرہ، بات بات پر قرآن کی آیتیں، بات بات پر رسولؐ کے حوالے، بات بات پر شکر کے سجدے، بڑے عابد، بڑے زاہد، بڑے مقدس، بڑے نمازی، بڑے پیارے چہرے والے اور اب جو شیطان کے بہکائے میں آئے تو کہنے لگے کہ علیؑ دین سے خارج ہو گئے ہیں، معاذ اللہ، اور اس کے بعد یہی مقدسینِ عصر کا گروہ، تلوار لے کے علیؑ کے سامنے میدان میں آیا۔ اسی دن سے ہم ہوشیار ہو گئے۔ ہر مقدس صورت کے سامنے جھکتے نہیں، پہلے اہلِ بیتؑ کا ذکر کر کے دیکھ لیتے ہیں کہ اہلِ بیتؑ والا ہے کہ نہیں ــــــ؟ (صلوٰۃ)

ارے بھئی لوگ کہتے ہیں کہ صاحب اس تقریر سے تو فلاں شے کی توہین ہو گئی، توہین کسی کی نہیں ہوتی ہے، یہ مقرر کو مرعوب کرنے کا طریقہ ہے۔ سنئے تو سہی وہ کیا تھے، بڑی بڑی ڈاڑھیاں، گھٹے چہرے، خوبصورت، قرآن، نمازیں، روزے، حدیثیں، ذکرِ خدا، مگر آپ جانتے ہیں کیا چیز نہیں تھی۔ اس چیز کی کمی تھی جس کے لیے خدا نے رسولؐ سے کہا کہ 'یہ نہ پہنچایا تو کچھ نہ پہنچایا'۔ وہ چیز کم تھی، یہ سب بیکار ہو گیا۔ چار ہزار آدمیوں کا لشکر، سنئے گا، مقامِ نہروان کے اوپر علیؑ سے مقابلے کے لیے آیا۔ مولا علیؑ خود جا کے ان کو نصیحت کر رہے ہیں، اور ان کے سامنے وعظ کر کے حقائق واضح کر رہے ہیں۔ ارے ہمارا کلیجہ پھٹ جاتا۔ اگر تاریخ ہمارے سامنے نہ ہوتی کہ بتیس برس سے ہم سمجھا رہے ہیں، سمجھ میں نہیں آیا؟ اب تسلی تو ہو گئی کہ ارے خاک کے ذرّے تو کیا ہے، آفتاب بھی چمکتا ہے تو اندھے کی آنکھ میں روشنی نہیں آتی۔

علیؑ سمجھا رہے ہیں بس اس سے بڑھ کے اور کیا بات ہو گی؟ مولا علیؑ بنفسِ نفیس آئے ہیں سمجھانے۔ اب آپ بتائیے کہ علم، حکمت، فصاحت، کلام، زبان،

بیان، ہر چیز سرحدِ اعجاز پر ہے نا؟ اور ان کی سمجھ میں نہ آنا تھا نہ آیا۔ ایک دفعہ مولاؑ نے حکم دیا جب کسی طرح نہ مانے تو اچھا اب ان کے خلاف تلوار اٹھاؤ۔ لشکر کو آرڈر ہوا حملہ۔ علیؑ کے ساتھیوں نے تلواریں کھینچی، اور تلواریں کھینچ کے رُکے، کہا: کیا ہوا؟ کہا: مولاؑ! وہ تو قرآن پڑھ رہے ہیں، وہ لوگ تو قرآن پڑھ رہے ہیں۔ دیکھا آپ نے؟ ارے کیا کیا دھوکے ہیں خدا کی قسم! یہ مجرم کہاں کہاں چھپتا ہے، کبھی قرآن میں چھپتا ہے، کبھی نماز میں چھپتا ہے، کبھی داڑھی کی آڑ لیتا ہے، مگر صدقے جائیے اہلِ بیتؑ کے کہ ہر جگہ ڈھونڈ نکالتے ہیں ــــ (صلواۃ)

سنئے کہا: مولاؑ! وہ تو قرآن پڑھ رہے ہیں، عجب جملہ کہہ دیا میرے مولاؑ نے، تاریخی کہا۔ قرآن ان کے حلق میں پھنسا ہوا ہے، نیچے نہیں اترا ہے۔ یہ بلیغ جملہ صبحِ قیامت تک کے لیے ہدایت ہے کہ جب تک قرآن حلق میں پھنسا رہتا ہے، بغیر اہلِ بیتؑ کے آدمی سوکھا سوکھا قرآن پڑھتا ہے۔ جب دل تک اتر جاتا ہے تو محبِ اہلِ بیتؑ بن جاتا ہے، اور اس کے بعد فرمایا کہ میرے بھائی مرسلِ اعظم مخبرِ صادق سرورِ کائناتؐ مجھے آج کے دن کی خبر دے گئے ہیں۔ مجھ سے بتا گئے ہیں۔ اچھا سنئے، لڑائی شروع ہوتی ہے، اور اس لڑائی میں دشمن کا لشکر چالیس ہزار ہے۔ اس لڑائی میں پورے چار ہزار آدمی مارے جائیں گے، اچھا چلاؤ تلوار جب لڑائی ختم ہو تو گن کر میرے قول کی صداقت کا اندازہ کرنا۔

اشعث ابن قیس، جو اپنے کو بہت بہادر سمجھنے لگا تھا، اُردو میں ایک مثل ہے کہ جب موت آتی ہے تو چیونٹی کے پَر نکلتے ہیں۔ کچھ کمزوروں سے لڑ بھڑ کے اپنے متعلق غلط فہمی میں مبتلا تھا۔ پہلے جو میدان میں نکلا تو کہنے لگا: میں تو علیؑ کو قتل کروں گا، تلوار کھڑا چمکا رہا ہے اور کہہ دیا ہے میرے سامنے کوئی نہ آئے۔ یہ تلوار تو علیؑ کا خون پیے گی، جب اس کی گستاخی حد سے بڑھی تو صاحبِ ذوالفقار نے جا کے اس کا انجام

ایک وار ذوالفقار میں واصلِ جہنم ہوا، اور اس کے بعد لڑائی شروع ہوئی اور تھوڑی دیر کے بعد جو لڑائی ختم ہوئی، اور کشتے گنے گئے تو تین ہزار نو سو اکانوے آدمی دشمن کے مرے پڑے تھے اور مولا علیؑ کے لشکر کے صرف نو آدمی کام آئے تھے۔ ذرا انتقامِ قدرت بھی دیکھئے گا کہ انھیں خدا نے دین سے خارج قرار دے دیا اور ان کا نام ہی خوارج پڑ گیا تاریخ میں۔

عزیزانِ گرامی ــــــ!

مولا علیؑ نے جس شان و شوکت سے اپنے چار سال نو ماہ کے دورِ حکومت کو چلایا ہے، اس میں آپ یہ سمجھ لیجیے کہ ایک ایسا اقتدار جس میں ایک پیسے کی رشوت کی گنجائش نہ ہو، جس کے اندر جس کو آج کی دنیا حق کہتی ہے۔ وہ باطل ہو۔ یہ صحیح ہے کہ غریب خوش تھے۔ یہ صحیح ہے کہ بیوائیں دعائیں دیتی تھیں۔ یہ صحیح ہے کہ یتیموں کو اس بات کا احساس نہ تھا کہ ان کے سر پہ سایہ نہیں ہے، مگر یہ بھی صحیح ہے کہ برسرِ اقتدار طبقہ جو تھا وہ بے چینی محسوس کرتا تھا۔ یہ ایک طویل بحث ہے، لیکن مولا علیؑ نے نہ صرف یہ کہ نظامِ اسلام قائم کیا، بلکہ ساری دنیا یہ کہتی ہے کہ علیؑ کے خلافت کے خاتمے کے ساتھ خلافتِ راشدہ کا خاتمہ ہو گیا۔ دورِ اقتدار کا چراغ خاموش ہو گیا، جس کو دنیا دیکھ کر مبہوت رہ گئی۔

خدا کی قسم! وہ درد میں ڈوبے ہوئے جملے، وہ کرب آمیز سخن، تاریخ کبھی بھلا نہیں سکتی، علیؑ کے وہ جملے، آج ہم اپنی قوم کی جو حالت دیکھ رہے ہیں اس سے ہم خوش نہیں ہیں، جس میں آپ نے سوتے ہوؤں کو جھنجھوڑا ہے۔ خدا کی قسم! وہ درد میں ڈوبے ہوئے جملے، وہ کرب آمیز سخن، خدارا اپنی حالت پہ غور کیجیے۔ اپنے اختلافات کو ختم کیجیے۔ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کیجیے، جو کوئی دوسروں کی مدد کر سکتا ہو وہ دوسروں کی مدد کرے، جو کسی کو سہارا دے سکتا ہو وہ سہارا دے، اور اگر آپ کسی کو

سہارا نہیں دے سکتے تو سہارا نہ دیجیے۔ لیکن اچھے بھلے چلتے ہوئے کو دھکا دے کر گرائیے بھی نہ، کم سے کم اتنا ہی فائدہ پہنچائیے کہ آپ کی ذات سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ اپنے بزرگوں کا احترام کیجیے، اپنے بچوں پہ رحم کیجیے، اپنے گھریلو معاملات کو بہتر بنائیے، اپنی قومی زندگی کو اُوپر اُٹھائیے تاکہ ایک آبرومند قوم کی حیثیت سے زندہ رہیے، ننگے بھوکوں کی بھیڑ، جاہلوں، بھوکوں کے غول کے غول، جن میں کوئی تہذیب نہ ہو، ایسے لاکھوں آدمی بیکار ہیں، تعلیم میں، تربیت میں، اخلاق میں، تجارت میں، معاملات میں۔ اُوپر اٹھئے، آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے پاس چراغ موجود ہیں۔ آپ کے پاس روشنیاں موجود ہیں۔ آپ اہلِ بیتؑ کی سیرت کو سامنے رکھئے اور اپنی قوم کی ترقی کے سلسلے میں کچھ کیجیے۔

دیکھیے میرے ساتھیوں کی آوازیں خاموش ہو چکیں۔ یہ آواز بھی ہمیشہ آپ کے کانوں میں گونجتی نہ رہے گی۔ میں بار بار آپ کو متوجہ کر رہا ہوں اور بار بار قومی زبوں حالی کے سلسلے میں آپ سے اپلییں کر رہا ہوں۔ آج پھر کہہ رہا ہوں، ایک دن علم کے لیے کہہ چکا ہوں، آج پھر آپ سے اتحاد کے لیے کہہ رہا ہوں۔ ایک دوسرے کے ساتھ کوآپریشن کے لیے کہہ رہا ہوں، اپنے قومی بھائی کی مدد کے لیے کہہ رہا ہوں، اپنے گھروں کے معیار کو بلند کیجیے، اور اپنے کیرکٹر کو اسلامی بنائیے۔ آپ کی پناہ گاہ اسلام ہے۔ مسلکِ اہلِ بیتؑ پر چلئے، دنیا آپ کو کچھ نہ دے پائے گی۔

میرے دوستو______!

اب تو یہ حال ہے کہ پکارو تو کوئی آواز پہ آواز نہیں دیتا۔ میں نے اسی بمبئی میں چند مہینوں پہلے، شیعہ کونسل کا جلسہ کیا۔ قومی حالات کے سدھار کے لیے، تو میرے کہنے کے باوجود بھی میرے تیس برس کے ملاقاتی منہ چھپا کے چلے گئے۔ اگر آج میں ان کے نام لے لوں تو کل سے وہ مجھ سے صاحب سلامت کرنا چھوڑ دیں

گے، اس لیے کہ پورا شہر انگلی اٹھائے گا۔ خیر چھوڑیے مگر میرے دل میں درد ہے، خدارا! قوم کی ترقی کے لیے قوم کی فلاح کے لیے قوم کو بہتر بنانے کے لیے ہر آدمی ایک سپاہی بن کے کام کرے ورنہ آپ یقین مانیے کہ اس ہندوستان سے شیڈول کاسٹ تو ختم ہو جائیں گے اور ان کی جگہ ہمیں ہو جائیں گے اور ہمارے لیے کوئی ریزرویشن بھی نہ ہوگا۔ آپ اپنی کوالٹی پیدا کیجیے۔

دیکھیے کوالٹی بہت تیزی سے نیچے جارہی ہے۔ میں بار بار آگاہی دے رہا ہوں۔ میرے پاس علم ہو یا نہ ہو مگر تجربہ بہت ہے زندگی کا۔ خدا کے لیے اپنے معیار کو اُوپر اٹھایئے، جاگیے۔ اب جاگنے کا وقت ہے۔ اپنا حق دوڑ کے حاصل کیجیے۔ کوئی آپ کا حق دینے آپ کے گھر میں نہیں آئے گا، سیاست ہو یا کوئی معاملہ ہو، ہر فیلڈ میں دوڑ کے آگے بڑھیے، کیوں ایسا ہے کہ آپ پیچھے ہیں؟ کیوں ایسا ہے کہ ہائر سروسز میں آپ نہیں ہیں، کیوں ایسا ہے کہ سیاست کے میدان میں آپ نہیں ہیں؟

کیا ہمارے لوگ خالی چپراسی (peon) بننے کے لیے ہیں، آفیسر بننے کے لیے نہیں ہیں؟ اور اس کو دل کی آواز جان کر سن لیجیے۔ مولا علیؑ کے دورِ حکومت کو پڑھیے اور اس سے فیض حاصل کیجیے۔ وہ ایک چشمۂ فیض ہے وہ ایک ابرِ کرم ہے۔ اس کے ذریعہ سے نور ملے گا، اس کے ذریعے سے علم ملے گا، اس کے ذریعے سے یقین ملے گا، اس کے ذریعہ سے راستے ملیں گے۔

اسد اللہ علیؑ نے اپنے چار سالہ دورِ حکومت میں، اسلامی معاشرے کی جو خدمات انجام دی ہیں، وہ آج تک تاریخِ اسلام کا ایک تابندہ ورق ہیں۔ ہم کیا مدح کریں ان علیؑ کی، جنھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی جان راہِ خدا میں دے دی بلکہ اپنی نسل راہِ خدا میں دے دی، جس نے ہر معرکہ میں اپنا سر ہتھیلی پہ رکھ کے اسلام کی خدمت کی ہو، اس کے دل میں آرزوئے شہادت کتنی مچلتی تھی۔ اس کو اگر سمجھنا ہو تو

یوں سمجھئے کہ علیؑ، حسنؑ و حسینؑ جیسے دو بیٹوں کی مختصر شہادت کو قبول کر کے بھی ایک بیٹے کی تمنا کر رہے ہیں جوان کے پاس ذخیرہ ہو۔

کیوں میرے دوستو ــــــ!؟

حیاتِ رسولؐ میں جبرئیلؑ کے ذریعے دونوں بیٹوں کے شہادت کی خبر آچکی، جس کے حسنؑ و حسینؑ جیسے دو شہزادے قربان گاہِ شہادت میں جانے والے ہوں، اس کا دل ابھی شہادت سے بھرا نہیں۔ اور وہ اپنے بھائی سے کہہ رہا ہے کہ بھائی عقیلؑ، آپ عرب کے حسب نسب کے ماہر ہیں، عرب کے خانوادوں اور خاندانوں کے ماہر ہیں، آپ ایک بہادر گھرانہ بتایئے جہاں میں شادی کروں تو ایسا بیٹا پیدا ہو جو ذخیرہ ہو۔

اللہ اللہ، اب ذرا ایک بات اور بھی سن لیجیے کہ ماں کتنا زبرست رول کرتی ہے بیٹے کے سلسلے میں؟ میری مائیں بہنیں سنیں، میری بیٹیاں جو سن رہی ہیں، ان کے اُوپر ذمہ داری ہے کل کی، اس لیے کہ ان کی آغوش کے پلنے والے بچے کل کی قوم بنیں گے، اور ایک بات مجھے کئی دن سے کھٹک رہی ہے، آج وہ بھی کہہ دوں کہ جو میری بہنیں جو میری بیٹیاں مجلس میں آتی ہیں، ان کو اسلامی حجاب میں آنا چاہیے، اس لیے کہ مجلس عبادت ہے۔ ہم مجلس کو سوشل گیدرنگ سمجھ کے نہیں آتے ہیں، ہم مجلس کو عبادت سمجھ کے آتے ہیں، یہ کون سی ضد ہے کہ ہم نجس کپڑوں میں نماز پڑھیں گے، اگر نماز پڑھنا ہے تو پاک کپڑے پہن کے پڑھئے۔ یہ کون سی ضد کہ ہم تو بے وضو نماز پڑھیں گے۔ اگر نماز واقعاً آپ کو پڑھنا ہے تو باوضو پڑھئے۔ اور اگر نماز پڑھنا نہیں ہے۔ ورزش کے لیے آپ مسجد میں آئے ہیں تو مسجد میں نہ آیئے۔ کسی اکھاڑے اور میدان کا رُخ کیجیے تو مجلس عبادت ہے ہمارے یہاں، عبادت میں جو بہنیں آئیں وہ حجابِ اسلامی میں آئیں، اور اگر کسی وجہ سے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ وہ مناسب نہیں سمجھتیں حجابِ اسلامی میں آنا تو پھر لباسِ سیاہ میں بھی نہ آئیں تاکہ کسی کو

یہ گمان نہ ہو کہ یہ حسینؑ کے ماننے والی قوم کی فرد ہے۔ پھر وہ کسی اور قسم کا لباس کسی اور رنگ کا لباس پہن کے آئیں۔ کیونکہ مجلس میں ہر قوم شریک ہوتی ہیں۔ ہم کہہ دیں گے یہ کسی اور قوم کی ہوں گی آ گئیں مجلس میں تو کیا ہم روک لیں گے؟ اس لیے کہ ہم یہاں بے پردگیٔ زینبؑ کا ذکر کریں گے۔ ہم یہاں بے ردائی اہلِ حرم کا ذکر کریں گے، ہم عباسؑ کی تعریف میں کہیں گے کہ زینبؑ کے پردے کا محافظ عباسؑ۔

ذکرِ مصائب

ہاں میرے دوستو.....!

ڈور ڈور سے میرے پاس فرمائشیں آ رہی ہیں کہ مصائب زیادہ پڑھئے گا۔ آج کسی بہت ڈور کی بستی کے آدمی آ کر ہم سے کہہ گئے کہ آج آپ کی مجلس کے بعد ہی تبرکات وہاں برآمد ہوں گے تو مصائب زیادہ پڑھئے گا۔ تو میں مصائب پڑھوں گا۔

علیؑ کی تمنا، بھیا کوئی ایسا بہادر گھرانہ بتایئے جس سے ایک ایسا بیٹا پیدا ہو جو میرے بعد ذخیرہ ہو۔ اس سے آپ سمجھئے ماں کی اہمیت کہ جس بیٹے کا باپ حیدرِ کرار علیؑ مرتضٰی جیسا شخص ہو اس پر بھی ماں کے اثرات رہتے ہیں۔ کیا بیٹے کو بہادر بنانے کے لیے خونِ شیرِ خدا کی گرمی کم تھی، جو شیرِ مادر کی تاثیر بھی طلب کی گئی، مگر مولاؑ نے جو کہا تھا کربلا میں ہم نے اس کا ثبوت دیکھ لیا۔ جو علیؑ نے کہا تھا سچ کہا تھا، کربلا میں ہم نے اس کی دلیل دیکھ لی۔ اگر لاکھوں کے نرغے سے اکیلے فرات کا چھین لینا خونِ علیؑ کی تاثیر تھی، تو تین دن کی پیاس میں دریا سے پیاسے نکل آنا شیرِ مادر کا اثر تھا۔ ماں نے کیا تربیت دی؟ ماں نے بیٹے کو یہ سکھایا کہ بیٹا! تم حسنؑ و حسینؑ کے غلام ہو، بھائی نہیں ہو۔ وہ آقا ہیں تم غلام ہو۔ بیٹا وہ شہزادی کے بیٹے ہیں، ان کی والدہ رسولؐ خدا کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی والدہ جنت کی عورتوں کی سردار تھیں۔ میں رسولؐ کی دختر

کی کنیز ہوں، لہٰذا تم ان کے بچوں کے غلام ہو۔ یہ سمجھایا ماں نے، تو عباسؑ پروانہ وار نثار رہے۔ حسینؑ مدینے سے چلے تو عباسؑ سائے کی طرح ساتھ، مدینے سے مکہ تک اور پھر مکہ سے کربلا تک سارے راستے آپ جانتے ہیں عباسؑ کیسے چلے؟ کبھی حسینؑ کی سواری کے پاس، کبھی بہن کی عماری کے پاس، بہن کی خیریت، بھائی کی حفاظت اور جب کربلا میں آ گئے تو نو راتیں رہے کربلا میں عباسؑ، اور نو راتوں خیمے کے گرد ٹہلتے رہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ شامِ غریباں میں جب عباسؑ سو رہے تھے تو زینبؑ جلی قناتوں کے گرد پہرہ دے رہی تھی۔

میرے دوستو ــــــ!

عباسؑ کے مصائب ہیں، رویئے، رو لیجیے۔ میں کیا مصائب پڑھوں؟ آپ مجھے بتایئے کیا پڑھوں؟ ہر سال وہی مصائب پڑھتا ہوں، نئے مصائب کہاں سے لاؤں؟ میں بھی روتا جاؤں آپ بھی روتے جائیں، کاہے پہ رویئے گا؟ عباسؑ کی جوانی پہ رویئے گا کہ عباسؑ کی خوبصورتی پہ رویئے گا؟ کہ عباسؑ کے بھرے بھرے شانوں کا ماتم کیا جائے۔ ارے سکینہؑ کا سقا زینبؑ کے پردے کا محافظ، حسینؑ کا علمدار، علیؑ کی تمنا، فاطمہؑ کا بیٹا عباسؑ ــــ عباسؑ ہماری جانیں فدا، ہم قربان عباسؑ، دشمن اکیلے عباسؑ سے دب رہا تھا، کسی میں ہمت نہیں تھی کہ دیر تک عباسؑ کو دیکھے اور بہتر کے لشکر کو صبح سے شام تک جو لڑایا ہے، عباسؑ نے اتنی بڑی فوج سے کیا کمانڈر کی تعریف نہ ہوگی؟

روایت میں ہے کہ عباسؑ کی نظروں میں لشکر سما نہیں رہا تھا۔ رات کو زہیر بن قینؓ سے کہا تھا: اجازت دلوا دو۔ رات کو زہیرؓ سے کہا تھا۔ زہیر بس اتنا کرو کہ آقا سے اجازت دلوا دو۔ اگر اس لشکر کو کوفے کی دیوار سے نہ ٹکرا دیا۔ ہائے سکینہؑ کا دل قوی ہو گا میرا چچا، زینبؑ پیاسی تو بہت تھیں مگر مطمئن ہوں گی۔ میرا بھیا، بازارِ شہادت

گرم ہوا۔ ایک ایک کر کے شہید ہونے لگے لوگ۔ عباسؑ کے بازوؤں کی مچھلیاں تڑپتی ہوں گی۔

سوچئے آپ کہ کیا گزر گئی میرے آقا پر، عباسؑ پر کیا گزر گئی؟ عونؑ و محمدؑ کے لاشے آئے، اجازت نہیں، عباسؑ کے بھائیوں کی میتیں آرہی ہیں، امامؑ اجازت نہیں دیتے، قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑے آئے ہیں، جب کوئی نہ رہا تو عباسؑ نے کہا: آقا اب میرا سینہ تنگی محسوس کر رہا ہے، اب اجازت دے دیجیے۔ حسینؑ نے عجب جملہ کہہ دیا کہ عباسؑ ایسا کرو کہ تم تھوڑی دیر خیمے میں آرام کرو، میں جا کے لڑتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد تم جا کے لڑنا، بس اتنا سننا تھا کہ عباسؑ تڑپ گئے۔ کہا: مولاؑ! میری زندگی میں یہ نہیں ہوگا۔ میرے ہوتے آپؑ جائیں؟ یہ نہیں ہوگا مولاؑ۔

ہاں عزادارو——!

میں دو تین منٹ مصائب ابھی اور پڑھوں گا، کہا: میری زندگی میں یہ نہیں ہوگا، عباسؑ کیا کریں۔ حسینؑ اجازت نہیں دیتے۔ وقت تنگ ہے۔ اتنے میں عباسؑ کی مشکل کشائی کے لیے مشکل کشا کی پوتی آ گئی۔ خیمے میں چھوٹے چھوٹے بچے آگے آگے سکینہؑ۔ پیچھے پیچھے چھوٹے بچے، ہاتھوں میں سوکھے ساغر، عباسؑ کو آ کے گھیر لیا۔ العطش العطش، ہائے پیاس، ارے پیاس۔ سنیے حسینؑ نے سر جھکایا، اچھا بھیا! جاتے ہو تو ان بچوں کے لیے پانی کی سبیل کرنا۔ لڑنے کی اجازت نہیں ہے، پانی لاؤ۔ سکینہؑ خیمے میں گئی ہوں گی، اِک مشکیزہ لا کے چچا کو دیا، ہاں آج تک عباسؑ کے علم میں مشکِ سکینہؑ ہے۔ یہ چچا بھتیجی کی محبت کی نشانی آج تک قائم ہے۔ ارے وہ ہاتھ تو کٹ گئے جس میں مشک باندھی تھی، کھولے کون؟ سکینہ کا مشکیزہ حسینؑ کا علم شیر لے کے دریا کی طرف چلا۔

تاریخ کہتی ہے: فوج کائی کی طرح پھٹ گئی، عباسؑ آرہے ہیں، عباسؑ

آ رہے ہیں۔ دریا میں گھوڑا ڈالا، سوکھی مشک کو تر کیا، سکینہؑ کی مشک بھر لی۔ مشکیزہ کاندھے پہ رکھا، چلّو میں پانی لیا، پینے کے لیے نہیں دکھانے کے لیے پھینک دیا۔ میرا آقا پیاسا ہے میں پانی پیوں گا؟ اب جو گھوڑے کو لے کے خیمے کی طرف چلے، ساری توجہ مشک کی طرف، داہنا ہاتھ کٹا، بائیں سے پکڑے، بایاں ہاتھ کٹا تو مشکیزے پہ سینہ ٹیک دیا۔

ہاں سن لیجیے، ہائے سکینہؑ ہائے سکینہؑ، ہائے عباسؑ، ہائے پیاسے بچے، ہائے حسینؑ کا علمدار، اِک تیر مشک سکینہؑ پر لگا، عباسؑ کے دل کی طاقت جواب دے گئی۔ ادرے میرے مولا حسینؑ نے کمر پکڑ لی، وَا آقاہ وَاعبّاسا۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

مجلسِ نہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

خداوندعالم قرآنِ مجید میں ارشاد فرما رہا ہے: "یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔ سلسلۂ کلام ذہنِ عالی میں ہوگا؟ میں کل تک مولا علیؑ کا دورِ حکومت بیان کررہا تھا۔ وہ آفتابِ ہدایت جس کا نام علیؑ تھا، تریسٹھ سال اس دنیا پہ اپنی روشنی برسا کے اور دنیا کو منور کر کے غروب ہوا۔ علیؑ جن کی مثال نہ دنیا پیدا کرسکی، نہ کائناتِ عالم لاسکی۔ جو حضورؐ سرورِ کائنات کی تصدیق کے واسطے اسی طرح اس زمین پر رحمتِ پروردگار تھے جیسے ان کے بھائی سرورِ کائنات، حضرت محمد مصطفیؐ ایک چشمۂ فیض تھے۔ اِک آفتابِ ہدایت تھے، اِک نور تھے، اِک روشنی تھے۔

اسلام کو یہ شرف ملا کہ علیؑ جیسا ہادی آیا اور تریسٹھ سال علم، کمال، فضل، شجاعت، سخاوت، عدالت، انسانیت، شرافت، نجابت، خوبی، نیکی، جنت، آخرت ہر چیز کا مژدہ دے کے علیؑ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور جب علیؑ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو دین کو بے سہارا چھوڑ کر نہیں رخصت ہوئے، اس لیے کہ دین، دینِ خدا ہے۔ اس کے واسطے انتظام رہتا ہے۔ علیؑ دنیا سے رخصت ہوئے، تو حسنِ مجتبیٰؑ موجود تھے۔ امام حسنؑ کے ہاتھ پر اکیسویں رمضان کو مولاؑ کی شہادت ہوئی ار

بائیسویں رمضان کو عام طور سے مسلمانوں نے بے جبر و اکراہ بغیر کسی دباؤ اور زیادتی کے سبطِ اکبر امام حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ مسلمانوں کے ویسے تو امامِ وقت وہ تھے ہی کیونکہ حضورؐ سرورِ کائنات نے ان کی امامت کا مژدہ ہمیں سنا دیا تھا لیکن علیؑ کے بعد مسندِ علیؑ کے اُوپر اس دنیا کے بنائے ہوئے اصول کے مطابق بھی، امام حسنؑ تشریف لائے۔ حسنِ مجتبیٰ کون تھے؟ تاریخ کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے۔

چند لمحوں میں مَیں آپ کی خدمت میں یہ عرض کروں کہ سبطِ اکبر حسنِ مجتبیٰ کی فضیلت، عزت اور عظمت اور ان کی شخصیت کیا ہے؟ علیؑ کے بعد مسندِ علیؑ پر بیٹھنے والا کوئی معمولی نہیں ہوسکتا۔ رسولؐ کے بعد نیابتِ رسولؐ کے لیے اگر حیدرِ کرار تھے تو علیؑ کے بعد نیابتِ علیؑ کے لیے حسنِ مجتبیٰ تھے۔ حسنِ مجتبیٰ کون تھے؟

عقیدت مندوں کا مجمع ہے، مسلمانوں کا مجمع ہے۔ میں ایک جملہ کہہ کے آگے بڑھ جاؤں گا، حسنِ مجتبیٰ تاریخِ آدمؑ و عالم کا وہ پہلا انسان، میرے پاس وقت نہیں ہے جو میں تفصیل سے سناؤں، جس کی ماں بھی معصومہ تھیں اور باپ بھی معصومؑ۔ امام حسنؑ سے پہلے کوئی ایسا شخص دنیا میں پیدا نہیں ہوا کہ جس کو ماں کی طرف سے عصمت کا ورثہ ملا ہو اور باپ کی طرف سے بھی۔ امام حسنؑ کے بھائی بہن ہیں مگر ان کے بعد سبطِ اکبر، رسولؐ کے بڑے نواسے، سوارِ دوشِ رسولؐ جن کے لیے حضورِ سرورِ کائناتؐ نے یہ کہا:

حَسَنٌ مِنِّی وَاَنَا مِنْهُ

”حسنؑ مجھ سے ہے میں حسنؑ سے ہوں“۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہوا کہ حسنؑ کو میری سرداری اور ہیبت عطا ہوئی ہے۔ تیسری حدیث میں جو وہ اور ان کے بھائی دونوں شریک ہیں۔ ارشاد ہوا:

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ

"حسنؑ و حسینؑ سردار ہیں جوانانِ جنت کے"۔

یہ حسنؑ، علیؑ کے بعد امام تو ہیں ہی، مسلمانوں کا ظاہری اقتدار بھی سنبھالتے ہیں۔

عزیزانِ گرامی ــــــ!

میں ایک ایک جملے پر آپ کی توجہ چاہتا ہوں۔ حسنِ مجتبیٰؑ سبطِ اکبر، سردار جوانانِ جنت، رسولؐ کی گود کے پالے، جنھوں نے زبانِ رسالت چوسی، جن کی رگوں میں خونِ رسالت و خونِ حیدرِ کرّار، جن کی پرورشِ شیرِ معصومۂ عالمیان سے ہوئی، کیا مسلمانوں کی اس سے بڑھ کے کوئی خوش نصیبی ہوگی کہ مسلمانوں کو رہبری کے لیے ایسی شخصیت ملی، کیا مسلمانوں کی اس سے بڑھ کے اور کوئی خوش نصیبی ممکن ہے؟ کہ عالمِ اسلام کی رہبری کے لیے ایسی شخصیت ان کو ملی جو رسولؐ کا نواسہ، رسولؐ کی گود کا پالا، رسولؐ کے سینے پہ سویا ہوا، رسولؐ کی گود میں پلا اور رسولؐ کے دوش پر بیٹھا ہوا، جس کے لیے جنت سے لباسِ نو آئے، جس کے لیے عید کے دن سرکار ناقہ بن جائیں، جس کو جنت کے جوانوں کا سردار بتایا جائے، جس کی ماں معصومہ ہو، جس کا باپ معصوم ہو، جس کی نانی خدیجہ الکبریٰ، اُم المومنینؑ ہوں، جس کا دادا رسولؐ کی پرورش کرنے والا ہو، اور جس کی دادی وہ ہو کہ جس کو رسولؐ اپنی ماں کہیں۔ ہے کوئی شخصیت دنیا میں اس کے برابر کی؟

اب میں صرف ایک سوال کروں گا آپ سے، کلیجہ تھام کے غور کر کے جواب دیجیے گا۔ اگر کسی کے پاس نصیب سے کوہِ نور آجائے وہ مشہورِ عالم ہیرا، ڈائمنڈ، جو آج برطانیہ میں ہے۔ اگر کسی کے پاس کوہِ نور آجائے۔ مقدر سے مل جائے وہ مشہورِ زمانہ ہیرا اور چند دنوں کے بعد کوئی ایک پتھر لائے اور وہ آدمی خوشی خوشی اپنا کوہِ نور اس سے بدل لے تو کیا ایسے شخص کی عقل پر اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ ایسے آدمی کو

صحیح الدماغ کہا جاسکتا ہے؟ ایسے آدمی کی فکر پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟ ایسے آدمی کی رائے کو اہمیت دی جاسکتی ہے؟ آپ کہیں گے اس آدمی کی رائے لے کر ہم کیا کریں گے جو کوہِ نور کو پتھر سے بدل لے۔ ہمارا دماغ خراب تھوڑا ہی ہے جو اس سے مشورہ کریں۔ اُمت کو جب حسنؑ جیسا رہبر ملا۔

توجہ ــــــ!

اُمت کو جب حسنؑ جیسا رہبر ملا تو رسول کو دنیا سے گئے صرف چالیس برس ہوئے تھے۔ یہ زمانہ بلکہ تیس برس ہوئے تھے۔ ۲۲ رمضان ۵۰ ہجری حضورؐ کو گئے صرف تیس برس ہوئے تھے۔ ۱۱ ہجری میں حضورؐ گئے تھے دنیا سے۔ قریب قریب تیس سال، سرکار کی رحلت کو تیس سال ہوئے تھے۔ تو تیس سال کے اندر پوری سوسائٹی فنا نہیں ہو جاتی۔

دیکھیے ــــــ!

میں عجب موڑ پہ لے آیا آپ کو۔ اب اس کے بعد ہٹ دھرمی کے سوا کچھ رہ نہ جائے گا۔ حضورؐ کو دنیا سے گئے تیس سال ہوئے تھے۔ مسلم سماج، مسلم سوسائٹی ان لوگوں پر مشتمل تھی جنھوں نے حضورؐ کو دیکھا تھا یا جنھوں نے صحابہ کو دیکھا، یعنی مسلمان صحابہؓ تابعین کے مجمع پر مشتمل تھے۔ ایسے مجمع نے فاطمہؑ کے بیٹے سے ہندہ کے بیٹے کو بدلا۔ ایسے مجمع نے محمدؐ کے فرزند سے ابوسفیان کے فرزند کو بدلا جو ہیرے سے پتھر کو بدل دے، کیا اس پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے؟ ــــــ (صلوٰۃ)

آپ سوچئے یہ سوچنے کی بات ہے، سب مسلمانوں کے لیے، یہ غور کرنے کی بات ہے۔ یہ فکر کی بات ہے حسنِ مجتبیٰؑ کی رگوں میں علیؑ کا خون تھا۔ حسنؑ نے زبانِ رسالت چوسی تھی۔ حسنؑ آغوشِ رسولؐ، آغوشِ علیؑ، آغوشِ فاطمہؑ کے پالے تھے۔ حسنؑ کا مرتبہ کیا ہے آپ سوچئے۔ ایسے حسنؑ کی حکومت میں رشوت کا جال بچھا دیا

گیا۔ علیؑ کے زمانے سے سازشیں چل رہی تھیں جو حسنؑ کے زمانے میں جاری رہیں اور رشوت کا جال بچھا دیا گیا حسنؑ کی سلطنت میں۔ یہ کیسے گا کہ حسنؑ بے خبر رہے، بے خبر نہیں تھے باخبر تھے۔ تو پھر سوال ہوتا ہے کہ توڑ کیوں نہ کیا؟ اس کا توڑ یہ تھا کہ اگر سامنے والے کے یہاں سے دس لاکھ آئے، حسنؑ دو ہی لاکھ دے دیں تو وہ راضی ہو جائے گا، لیکن ادھر مالِ خدا کا کوڑی کوڑی کا حساب اُدھر خزانوں کے منہ کھلے ہوئے ــــ توجہ چاہتا ہوں!

اِدھر کوڑی کوڑی کا حساب اُدھر خزانوں کے منہ کھلے ہوئے، نتیجہ یہ ہوا کہ عالمِ اسلام میں سیکڑوں زبان سے حسنؑ والے دل سے غیر والے، تاریخ کے اس موڑ کو بچے بہت غور سے سنیں۔ آج کا یہ بیان آپ کو روز روز نہیں ملے گا۔ یہ سبجیکٹ بہت کم بیان ہوتا ہے، لہٰذا اس کو بہت توجہ سے سنیے گا۔ اُدھر خزانوں کے منہ کھلے ہوئے ہیں، شام سے رشوتیں آرہی ہیں، زبانیں حسنؑ کے ساتھ دل دوسروں کے ہو گئے۔ بظاہر لبوں پر خدا و رسولؐ ہے، اندر دل میں سونے کا بت بٹھا کے اس کی پرستش شروع ہو رہی ہے۔

ہاں یہ سمجھ لیجیے دنیا میں سارے بت ٹوٹ گئے ہیں، مگر ابھی دولت کا بت نہیں ٹوٹا ہے۔ سونے کے بت کی پرستش ابھی بھی زمانے میں ہوتی رہتی ہے، اور اب ایمان خریدے جاتے ہیں دولت کے اُوپر۔ اب دو صورتیں ہیں حسنؑ کے واسطے، یہ منافقین کا مجمع، کام آنے والا نہیں ہے، سوائے اس کے کہ اسلام میں فساد پیدا کرے۔

لہٰذا ضرورت ہے کہ ان کے چہرے سے نقاب اُلٹ دی جائے اور دنیا کو معلوم ہو جائے کہ حق پرست کتنے ہیں اور باطل پرست کتنے، دونوں لشکر حسنؑ کی خلافت کے چھ مہینے کے بعد دونوں لشکر آمنے سامنے آتے ہیں، حسنؑ بے خبر سلطان نہیں ہیں، حسنؑ ایسے سربراہِ مملکت نہیں ہیں کہ جنھیں علم نہ ہو، وہ سرداروں کے دل پڑھ رہے ہیں جو دشمن سے رشوت لے کے یہ طے کر چکے ہیں کہ لڑائی چھڑنے تو

دیکھیے ہم اپنے ہاتھ ہی سے حسنؑ کو قتل کر دیں گے۔ اب اگر لڑائی میں حسنؑ شہید ہو گئے ہیں تو اس شہادت کا فائدہ اسلام کو نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی تاریخ میں ایسے بہتیرے بادشاہ ملیں گے جو تاج و تخت کا دفاع کرتے ہوئے میدان میں مارے گئے۔ تاریخ لکھ دے گی کہ عراق کا بادشاہ شام کے بادشاہ سے لڑتے ہوئے میدان میں مارا گیا۔ تو حسنؑ شہید ہو جائیں گے اور قاتل کو اس کے چاہنے والے خطائے اجتہادی کے صندوق میں رکھ کے جنت بھجوا دیں گے۔

غور فرمایا آپ نے ___!؟

تو دین کو کوئی فائدہ نہ ہوگا اس شخص کی شہادت سے جو زندہ رہتے ہیں دین کے لیے وہ موت قبول کرتے ہیں دین کے لیے، نہ یہ اپنے لیے زندہ رہتے ہیں۔ امام حسنؑ نے اس موقع پر صلح فرمائی اور اگر صلح حسنؑ خدمتِ دین میں جہادِ حسینؑ سے کم ہوتی تو رسولؐ عادل جنت کی سرداری خالی حسینؑ کو دیتا، حسنؑ کو نہ دیتا۔

سمجھتے جائیے آپ بات کو ___!

حسنؑ نے ایسے نازک وقت میں اپنی سیاسی سوجھ بوجھ اور معصومانہ بصیرت سے کام لے کے اپنے دشمن کو صبح قیامت تک کے لیے صلح نامہ میں قید کر لیا۔

سنیے آپ کہ یہ کیا چیز تھی؟ لوگ کہتے ہیں حسنؑ نے صلح کیوں کی؟ یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں علیؑ مسلمانوں سے کیوں لڑے؟ اور پھر پلٹ کے کہتے ہیں: حسینؑ نے حسنؑ کی طرح صلح کیوں نہیں کی؟ معلوم ہوا کہ ان کو صرف عملِ اہلِ بیتؑ پر اعتراض مقصود ہے اور کچھ نہیں۔ دو جملے صلح و جنگ کے بھی سن لیجیے، کاش میں اس مختصر وقت میں سب پڑھ لے جاؤں۔

دیکھیے اسلام میں جنگ نہیں ہے۔ رسولؐ اللہ نے کبھی جنگ نہیں کی۔ اسلام میں جہاد ہے، دین کے رہبر لڑتے نہیں، دین کے رہبر جہاد کرتے ہیں۔ جنگ اور

جہاد میں فرق ہے۔ دو آدمی دو بڑے، دو قومیں، دو ملک، دو نظام، دو پارٹیاں کسی وقت بھی لڑسکتی ہیں۔ جہاد اسلامی عبادت ہے۔ فروعِ دین کے جس سلسلے میں نماز ہے، جہاں روزہ ہے، جہاں حج ہے، وہیں جہاد کا بھی ذکر ہے تو جہاد اِک عبادت ہے۔ نماز اِک عبادت ہے۔ ہیں کوئی صاحب بڑے عابد اور بڑے اللہ والے جو صبح کی نماز آٹھ رکعت پڑھتے ہوں؟ اس لیے کہ صبح کے سہانے وقت پر اللہ کی عبادت کرنے میں زیادہ مزہ آتا ہے۔

میری بات کا یقین نہ کیجیے قبلہ و کعبہ تشریف فرما ہیں مسئلہ پوچھ لیجیے کہ اگر کوئی صاحب جوشِ عبادت میں صبح کی آٹھ رکعت واجب قربۃً الی اللہ پڑھیں تو کیا اسلام کے دائرے میں رہ پائیں گے یا نکال باہر کیے جائیں گے؟ اگر کسی کو جوشِ عبادت ہو اور وہ ماہِ رمضان میں حج واجب کرے، عمرہ نہیں حج، کہ بھئی اللہ کا مہینہ ہے تو روزہ بھی رکھیں گے اور حج بھی کریں گے تو کیا وہ مسلمان رہ جائے گا؟

معلوم ہوا کہ عبادتوں کے وقت معین ہیں، مقدار معین ہے، صبح کی دو رکعت پڑھیے۔ تو نماز ہے اور چار رکعت پڑھیے تو اسلام کے باہر، رمضان میں روزے رکھیے لیکن رمضان میں حج کیجیے تو بالکل کعبے میں ایمان چڑھا کے چلے آیئے۔ معلوم ہوا کہ اسلامی عبادت کا ٹائم مقرر ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ ہم دو ہی رکعت پڑھیں گے مگر دس بجے دن میں، کہا: کیسے؟ کہا: صبح صادق سے لے کر طلوعِ آفتاب تک پڑھیے۔ نماز اور اُدھر کرن نکلی اِدھر گیا وقت، نہیں ہم پورے تیس رکھیں گے۔ روزے انیس نہیں، نہ سہی مگر ٹائم مقرر ہے عبادت کا۔ جب آجائے وقت تو عبادت کرو۔ جب چلا جائے وقت تو واجب اور حرام کی سرحدیں مل جاتی ہیں۔ آج روزہ واجب، چاند ہو گیا کل روزہ؟ حرام، اس مہینے میں حج واجب، اس مہینے میں کوئی حج کرے؟ حرام، تو جس جیسے کا زمانہ معین، روزے کا زمانہ معین، نماز کا وقت معین ویسے جہاد کا

بھی وقت معین ہے۔ یہ بھی ایک عبادت ہے۔ پبلک کی ڈیمانڈ پر نہیں ہوسکتا۔ جہاد مذہب کی ضرورت پر ہوگا۔ حضورؐ نے ہمیشہ جہاد کیا، علیؑ نے جہاد کیا، حسنؑ و حسینؑ نے جہاد کیا۔ مکہ میں دیکھا حکم نہیں ہے، تلوار نہیں نکالی۔ مدینہ میں دیکھا وقت آ گیا تلوار نکال لی۔ حدیبیہ میں دیکھا، وقت چلا گیا۔ تلوار رکھ لی۔ حنین میں دیکھا وقت آ گیا۔ تلوار نکال لی۔ علیؑ نے رسولؐ کے بعد دیکھا وقت چلا گیا، تلوار رکھ لی، جمل و صفین میں دیکھا وقت آ گیا۔ تلوار نکال لی۔ حسنؑ نے بعدِ علیؑ دیکھا، وقت چلا گیا، تلوار رکھ لی۔ حسینؑ نے کربلا میں دیکھا، وقت آ گیا تلوار نکال لی ــــــ (صلواۃ)

سنئے گا، امام حسنؑ نے جو صلح کی، اس کا صلح نامہ سنا دوں آپ کو۔ آپ کو اندازہ ہوگا کہ کیا چیز ہے وہ، پہلی شرط، حاکمِ شام مطابق سنتِ خدا و رسولؐ پر عمل کرے گا۔ دوسری شرط، حاکمِ شام مذہب کے معاملات میں کوئی دخل نہیں دے گا۔ تیسری شرط، انتظامی معاملات میں امام حسنؑ دخل نہیں دیں گے۔ چوتھی شرط فارس و اھواز کا خراج ہمیشہ حاکمِ شام امام حسنؑ کو دیتا رہے گا۔ پانچویں شرط شیعیانِ علیؑ جہاں جہاں ہیں ان کی جان، مال، عزت و آبرو محفوظ رہیں گے۔ چھٹی شرط شام میں مولا علیؑ کی شان میں منبروں پہ جو گستاخی ہوتی ہے فوراً بند کی جائے گی۔ ساتویں شرط، اگر حاکمِ وقت کی موت امام حسنؑ کی زندگی میں ہوتی ہے تو حکومت حسنؑ کو واپس ملے گی۔ اور اگر حسنؑ اس وقت زندہ نہ ہوں تو حکومت حسینؑ کو واپس کی جائے گی۔ یہ شرائط ہیں۔ اب اگر میرے پاس وقت ہوتا تو میں ایک ایک شرط کی تفصیل آپ کو سناتا لیکن اتنا تو سن ہی لیجیے کہ حسنؑ نے سارا اختیار مذہبی نکال کے صرف اس کو دنیاوی، اور وہ بھی چند دن کے لیے تو یہ نہ کہیے کہ یہ صلح تھی بلکہ یہ کہیے کہ یہ سیز فائر ہے، اس کو صلح نہ کہیے۔ یہ کچھ شرائط پر سیز فائر ہے اور جب آخری شرط بھی پامال ہوگئی۔ صلح نامے کی تو حسینؑ نے تلوار نکال لی۔ (صلواۃ)

عزیزانِ محترم ــــ!

یہ ہیں شرائط صلح نامہ جس کے اندر امام حسنؑ نے تمام شرائط رکھے ہیں کہ حاکمِ شام مطابق کتاب خدا وسنتِ رسولؐ عمل کرے گا، دیکھا آپ نے؟ اب یہاں پہ گذشتہ سیرتوں کی کوئی بات نہیں ہے، وہی جن کنڈیشنز پہ علیؑ نے بات کی تھی وہی ہو رہی ہے۔ دین کے معاملات میں دخل نہ دے گا۔ اہواز وفارس کا خراج دیتا رہے گا۔ خراج ہمیشہ ہارنے والا، جیتنے والے کو دیتا ہے یہ کون سی صلح ہو رہی ہے جس میں خراج دیا جا رہا ہے، علیؑ کے شیعوں کی جان و مال محفوظ رہے گا۔ علیؑ کی شان میں گستاخی بند ہوگی۔ سادہ کاغذ آیا تھا دستخط کیا ہوا۔ صلح نامہ کے شرائط لکھے گئے، صلح نامہ مکمل ہوا۔ اقتدار فاطمہؑ بیٹے کی طرف مسلمانوں کے سامنے ہندہ کے بیٹے سے منتقل ہوا اور مسلمان دیکھتے رہے۔ حسنؑ کا اگر لوگ ساتھ دیتے تو ایسا کیوں کرتے؟ سوال یہ ہے، اگر چہروں کے اُوپر جو ہے وہی دلوں میں بھی ہوتا تو ایسا کیوں ہوتا؟ حسنؑ نے صلح کر کے اتمامِ حجت کر دیا کہ کوئی یہ نہ کہے کہ بنی ہاشم صلح و آشتی سے کام چلانا جانتے نہیں ہر وقت تلوار لیے رہتے ہیں۔ حسنؑ نے صلح کر کے بتایا ہم پہلے صلح کرتے ہیں بعد میں تلوار نکالتے ہیں ــــ (صلواۃ)

توجہ چاہتا ہوں عزیزانِ گرامی ــــ!

غور کریں آپ اس منزل کو ذرا کہ یہ صلح نامہ ہوا اور اس صلح نامہ کا پہلا نتیجہ ہوا۔ میں کسی کے جذبات سے کبھی نہیں کھیلتا۔ میرا مقصدِ تبلیغ ہے، لیکن اگر کوئی فکر انگیز بات کہی جائے، اگر کوئی ایسی بات کہی جائے کہ آدمی سوچے تو اس کے اندر بچوں کی طرح جلدی سے روٹھ جانا بھی اچھا نہیں ہے۔

یہ تو کسی پڑھے لکھے ہے بات کہ نہیں؟ کہ جاؤ ہم تم سے نہیں بولتے چھٹی۔ یہ تو کسی پڑھے لکھے آدمی کی شان نہیں ہے، پہلا اثر یہ ہوا صلح کا، پہلا اثر کہ خلافتِ راشدہ کا خاتمہ ہو گیا۔

تمام مورخینِ اسلام بالاتفاق لکھتے ہیں کہ صلح حسنؑ کے دن خلافتِ راشدہ ختم ہوگئی۔ حکومتِ دنیا شروع ہوگئی۔ صلح حسنؑ جس دن ہوئی اس دن خلافتِ راشدہ ختم ہوگئی اور حکومتِ دنیا کا آغاز ہوگیا۔ میں کہتا ہوں خطا کس کی تھی؟

بمبئی والے اس میں ہیں کہ لکھنؤ والے، ختم کس نے کروائی؟ ضرور لکھنؤ اور بمبئی والوں کی شرارت ہوگی اس لیے کہ اُس زمانے کے سچے مسلمان تو یہ حرکت کر نہیں سکتے۔ صدرِ اوّل جس کے اندر سارے راوی، سارے محدث، سارے مفسر، سارے بزرگ ہیں، اُن سے تو اس غلطی کا امکان ہے نہیں۔ ضرور یہ لکھنؤ والے گئے ہوں گے یا بمبئی والے، کیوں صاحب؟ راشد کو چھوڑ کر غیر راشد کے ہاتھوں پر بیعت کیا معنی؟ ارے سوچیے تو سہی اگر یہ ہوتا کہ علیؑ کا انتقال ہوگیا۔ اب کوئی دنیا میں راشد رہا نہیں تو ہم کیا کرتے غیر راشد کو نہ پوچھتے؟

حسنؑ موجود ہیں اور راشد کی بیعت توڑ کے غیر راشد کی بیعت ہو رہی ہے تو جو مسلم سوسائٹی غیر راشد کے ہاتھ پہ بیعت کرلے ہم اس سے اسلام کیا لیں، دین کیا لیں اور شریعت کیا لیں ـــــ (صلواۃ)

ہمیں اپنے حسنؑ پہ ناز ہے، اس لیے ناز ہے کہ حسنِ مجتبیٰؑ نے حکومت کو ٹھوکر ماری، مگر غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح کہا۔ حکومت بچانے کے لیے اس راستے کو نہیں چھوڑا جو اُن کے باپ اور نانا کا راستہ تھا، حکومت کیا چیز ہے اس گھر والوں کے لیے جن کو اللہ نے جنت کی سرداری دی ہو۔ ان کے واسطے حکومت کیا ہے، جن کو اللہ نے عصمت کا تاج پہنایا ہو۔ وہ دنیا کے اقتدار کو کیا سمجھتے، حسنؑ کا کچھ نہیں بگڑا، حسنؑ کی شان میں آج بھی حدیثیں جگمگا رہی ہیں، کیا میں کہوں دنیا والے حسنؑ و حسینؑ سے حکومت نہیں زندگی بھی چھین لیں۔ دم ہو تو جنت کی سرداری چھین کے دیکھیں، لیکن ایک بات ضرور دھیان میں رہے کہ کسی بھی ملک میں وہاں کے سردار سے دشمنی لے

کے آپ جا نہیں پائیں گے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ یہاں کے سردار کے دشمن ہیں۔ یہ تو بارڈر ہی پہ چیک کرتے ہیں جا نہیں پائے گا، شاید اسی لیے در جنت پہ علیؑ کھڑے ہوں گے، چیکنگ ہوگی کہ دل میں محبت لائے ہو کہ نہیں لائے ہو۔

لہٰذا مسلمان دنیا میں جس مصلحت سے چاہے بات کرلے، جنت جانے کے لیے سوچ لے کہ یہاں چاہے حسنؑ پر تنقید کرلے، چاہے حسینؑ پر تنقید کرلے لیکن اگر جنت میں جانے کی تمنا ہے تو یہ سوچ لے کہ وہاں حسنؑ و حسینؑ ہی سے سابقہ پڑے گا۔ پھر اگر یہاں کوئی حسنؑ کو نہیں چاہتا، حسینؑ کو نہیں چاہتا تو قیامت کے دن بھی کہہ دینا کہ ہم جنت نہیں چاہتے ـــــ (صلوٰۃ)

یہ ہے منزل امام حسنؑ نے صلح کی اور صلح کر کے جہاد کربلا کے لیے راستہ ہموار کیا۔ اس سلسلے میں میری ایک بات سمجھ میں نہ آئی کہ بعض لوگوں کے بڑے نام ہیں۔ مگر اُردو میں ایک مثل ہے: ”نام بڑے درشن چھوٹے“۔

بعض وقت تاریخ لکھنے میں ایسی غلطیاں کرتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ مصر کے نامور مؤرخ ڈاکٹر طٰہٰ حسین بڑے پاپولر آدمی ہیں اور دانش مندوں میں بڑا نام ہے ان کا، انھوں نے ایک کتاب لکھی: الفتنة الكبرىٰ۔ جس کا دوسرا حصّہ ہے علیؑ اور ان کے بیٹے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں حسنؑ و حسینؑ میں اختلاف تھا۔ ایک بھائی نے صلح کی دوسرا بھائی لڑا۔ اللہ جانے کیسے دانش مند تھے وہ، یا یہ کہ اہلِ بیتؑ کے معاملے میں ان کی عقل سلب ہوجاتی ہے۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ ہر بات سمجھ میں آتی ہے، جب اہلِ بیتؑ کا مسئلہ آتا ہے تو بالکل دماغ مختل ہوجاتا ہے۔ کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا شاید ایسا ہی معاملہ ہو کچھ۔ اس لیے کہ اختلاف تو ہم جب مانتے، جب ایک طرف حسنؑ صلح نامے پہ دستخط کر رہے ہوتے، دوسری طرف حسینؑ تلوار چلا رہے ہوتے تو یہ کہتے کہ ٹھیک اختلاف تھا۔ اگر حسنؑ نے صلح کی اور حسینؑ نے جنگ اس

لیے حسنؑ و حسینؑ میں اختلاف تھا تو اس سے پہلے تو بہ تو بہ سیرتِ رسولؐ میں اختلاف تھا۔ اس لیے کہ جن کفار سے رسولؐ بار بار لڑے، انھی سے حدیبیہ میں صلح کی، تو ایک ہی نے صلح بھی کی اور جنگ بھی کی تو کیسے؟

کچھ ارشاد ہو زبانِ مبارک سے، گھبرایئے نہیں بولیے کہیے کہ سیرتِ رسولؐ میں اختلاف تھا، تو کہا نہیں مصلحت کا تقاضا تھا کہ صلح کی۔ اچھا تو مصلحت کا تقاضا ہو تو رسول صلح بھی کرتے ہیں اور مصلحت کا تقاضا ہو تو رسولؐ جہاد بھی کرتے ہیں تو رسولؐ کی زندگی میں دونوں چیزیں ملیں۔ جہادِ بدر و اُحد بھی ہے، صلحِ حدیبیہ بھی ہے، دونوں شہزادے اپنے ناناؐ کے وارث تھے، ایک نے صلح کی وراثت لے لی، ایک نے جہاد کی وراثت لے لی تو آپ کو اعتراض کیا ـــــ (صلواۃ)

عزیزانِ گرامی ـــــ!

دونوں نے اپنے مقاصد صلح و جہاد سے پورے کر لیے۔ مقصد کیا تھا حسنؑ کا؟ میں کیا جانوں امامؑ کا مقصد کیا تھا امام جانے۔ مگر ایک بات میں بھی جانتا ہوں کہ خلافتِ راشدہ ختم ہوئی علیؑ پر۔ اس کے بعد کوئی خلیفۂ راشد تو ہوا نہیں، تو اگر مسلمان واقعاً قائلِ خلافت ہیں تو جب تک پانچواں راشد نہ آ جائے سیرتِ علیؑ پر عمل کرتا رہے جب تو مسلمان ہے ـــــ (صلواۃ)

امام حسنؑ نے صلح کی اور دس سال اپنے ناناؐ کے روضے کے قریب رُشد و ہدایت میں، انسان کو انسان بنانے میں، تعلیم دینِ محمدؐ میں، تفسیرِ قرآن میں، تصریحِ حدیثِ رسولؐ میں اپنی حیاتِ مبارک گزاری۔ آپ سیرت و خلق میں، صورت میں اپنے نانا سرورِ کائنات کی شبیہ تھے۔ آپؑ کے زمانے میں صلح نامے کے شرائط پامال ہوتے رہے اور مسلمان دیکھتے رہے۔ اسلامی معاشرہ رسولؐ کے بعد جو اہلِ بیتؑ سے ہٹ گیا تھا اب میرے یہ کل کے بیان کی تمہید ہے جو آج شروع ہو گئی۔ اسلامی سوسائٹی

جو رسولؐ کے بعد اہلِ بیتؑ سے منہ موڑ کے اپنا راستہ الگ ڈھونڈ رہی تھی وہ اس تلاش وجستجو میں اپنے دامن پر بہت سے مقدسین عصر کے خون کے دھبے لگا بیٹھی، اور بہت سی وعدہ خلافیوں اور پیماں شکنوں کے داغ لے بیٹھی، یہاں تک کہ حسنؑ دنیا سے رخصت ہوئے اور اپنے بعد کے لیے امام حسینؑ کی امامت وخلافت اور نیابت کے لیے اسی طرح نص کر کے گئے جیسے علیؑ نے حسنؑ کے لیے نص کی تھی، اور رسولؐ نے علیؑ پہ نص کی تھی۔ اب حسینؑ کا زمانہ تھا۔ اگر حسنؑ وحسینؑ میں اختلاف ہوتا اور یہ مان لیا جائے کہ تہذیب خانوادۂ بنی ہاشم کی وجہ سے بڑے بھائی کی عظمت کے خیال کی وجہ سے حسینؑ چپ رہ جاتے تو حسنؑ کی شہادت کے بعد فوراً تلوار نکال لیتے، اور اگر آپ کہیں کہ تلوار نکالنے کا کوئی بہانہ بھی ہو تو سبطِ اکبرؑ کے معصوم جنازے پر تیروں کی بارش کیا تلوار اُٹھانے کے لیے کافی سبب نہ تھا۔ کیا تلوار اُٹھانے کے لیے یہ سبب نہ تھا؟

مسلمانو ـــــ! کبھی سوچو کہ رسول ہی کی گود کا پالا، رسولؐ کے پہلو میں دفن نہ ہونے دیا جائے اور اس کی میت پر تیر برسائے جائیں۔ حسنؑ کے جنازے میں تیر پیوست ہوئے اور حسینؑ نے حسنؑ ہی کی پالیسی پر چلتے ہوئے بنی ہاشم کے شیروں کو روکا، آستینیں اُلٹ گئی تھیں، تلواروں کے قبضے تک ہاتھ پہنچ چکے تھے۔ عباسؑ، عبداللہ ابن جعفرؓ، مسلم ابن عقیلؑ، محمد حنفیہؒ ہاشم کا گھرانہ جوانوں سے خالی نہیں تھا۔ اس وقت بھی حسینؑ نے سب کو روکا۔ نہیں میرے بھائی کی وصیت ہے خاموش رہو۔ ماں کے پہلو میں دفن کریں گے۔

میں ایک بات سوچ کے یہ روتا ہوں کہ حسینؑ کی قسمت میں سارے مصائب تھے، یعنی حسنؑ کے جنازے سے تیر بھی حسینؑ نے نکالے، عباسؑ کے لاشے پر بھی حسینؑ گئے۔ آدمی اپنے بڑے کی میت اُٹھاتا ہے۔ رو رو کے یہ سوچ کے کہ ہمارا چھوٹا ہماری میت اُٹھائے گا۔

ذکرِ مصائب!

دیکھیے ـــــــ! باپ کے مرنے کا بھی غم آدمی کو بہت ہوتا ہے۔ ایسی بات نہیں کہ نہیں ہوتا ہے۔ باپ کے مرنے کا غم مگر باپ کی میت اُٹھاتا ہے بیٹا، مگر یہ سوچتا ہے کہ ہمارا بیٹا ہماری میت بھی اُٹھائے گا تو بڑے کی میت چھوٹا اٹھاتا ہے۔ رو رو کے اُٹھاتا ہے مگر اس کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ اس کا چھوٹا اس کی میت اُٹھائے گا۔ ہائے حسینؑ، حسنؑ کی میت بھی حسینؑ اُٹھائیں، قاسمؑ کی میت بھی حسینؑ لائیں، علیؑ کی میت بھی حسینؑ اُٹھائیں، علی اکبرؑ کا لاشہ بھی حسین لے کے آئیں۔

بس عزیزانِ گرامی ـــــــ!

بقیہ جو کچھ بھی مضمون باقی ہے وہ کل آج مصائب کی رات ہے، آج آپ حسینؑ کے اٹھارہ برس والے پہ روتے ہیں۔ اللہ آپ کے جوانوں کو زندہ رکھے، خدا ہماری بہنوں کی گودیاں ہری بھری رکھے۔ لیلیٰؑ کی گود اُجڑ گئی۔ حسینؑ کا جوان بیٹا شہید ہوگیا۔ کیسا بیٹا جو صورت میں، سیرت میں، رفتار میں، گفتار میں رسولؐ اللہ کی تصویر، ہم قربان ہوجائیں اس علی اکبرؑ پر، جو شمع امامت کا پروانہ، اور سارے گھر کے لیے ایک تبرک، اس لیے کہ رسول کی صورت کا تھا۔ زینبؑ نے اپنے بھتیجے کو خود پالا۔ نانا کی صورت، چوڑی پیشانی ویسے ہی جیسے رسولؐ اللہ کی پیشانی، زلفوں کے بل وہی جیسے رسولؐ اللہ کے زلفوں کے خم، حسین چہرہ ویسے ہی جیسے رسول کا چہرہ۔ اچھا کسی کا بیٹا اگر کسی بڑی منزل تک پہنچتا ہے تو عورتیں ماں سے کہتی ہیں: بی بی بڑی خوش نصیب ہیں آپ، آپ کو ایسا بیٹا ملا۔ مرد باپ سے کہتے ہیں بڑے خوش نصیب ہیں آپ اللہ نے آپ کو ایسا بیٹا دیا۔ یہ بات کتابوں میں لکھی نہیں ہوتی مگر زندگی کی بات ہے، تو یقیناً عورتیں جنابِ لیلیٰؑ سے کہتی ہوں گی: بی بیؑ! آپ کی خوش نصیبی کا کیا

ٹھکانا آپ کا بیٹا تو رسولؐ اللہ کی صورت ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی حسینؑ سے بھی کہتا ہو آپ کو تو اللہ نے بڑا تحفہ دیا۔ رسول کی تصویر آپ کو دے دی۔ ہائے جب ماں کا بیٹا بچھڑ گیا ہوگا، ہائے ہائے۔

ہاں عزیزانِ گرامی ــــــــ!

چند منٹ مصائب سنیے، رونے رُلانے کی رات ہے۔ جب کوئی نہ رہا علی اکبرؑ آئے، کہا: بابا مجھے اجازت دیجیے۔ کہا: بیٹا فی الحال اہلِ حرم سے رخصت ہولو۔ شہزادہ خیمے میں گیا کیونکر رخصت ہوا۔ یہ مجھے نہیں معلوم، مجھے اتنا معلوم ہے کہ جب نکل رہے تھے تو ایسا لگتا تھا جیسے بھرے گھر سے جوان کا جنازہ نکل رہا ہے۔ باپ کے سامنے آئے باپ نے آراستہ کیا۔ بیٹا مقتل میں گیا۔ بڑی شان کا جہاد کیا، اِک نامی پہلوان سامنے آیا، جنابِ لیلیٰؑ درِ خیمہ پر امامؑ کا چہرہ دیکھ رہی تھیں، اِک مرتبہ چہرے پر آثارِ تغیر آئے، کہا: کیوں مولاؑ! میرا علیؑ اکبر زخمی ہوگیا کیا؟ کہا: نہیں لیلیٰؑ، اِک پہلوان آیا ہے مقابلے کے لیے۔

دیکھیے ــــــــ!

کربلا کی لڑائی کا اصول مجھے موت سے انکار نہیں ہے۔ مگر ایک ایک کی لڑائی میں علی اکبرؑ نہ مارے جائیں ورنہ بنی ہاشم کی شجاعت پہ حرف آئے گا، مرجانے سے انکار نہیں ہے، مگر اس وقت موت نہیں چاہیے۔ اس کے ہاتھ سے، اب سمجھے۔ آپ کربلا کیا شے ہے، کہا: لیلیٰؑ خیمے میں جاؤ ماں کی دعا اولاد کے حق میں قبول ہے۔ یہ میرے نانا کا ارشاد ہے: بی بی لیلیٰؑ خیمے میں گئیں، ہاتھ اُٹھائے، دعا شروع کی: اے یوسفؑ کو یعقوبؑ سے ملانے والے! میرے علی اکبرؑ کو مجھ سے ملا دے، دعا قبول ہوئی۔ علی اکبرؑ آئے باپ سے پیاس کی شکایت کی اور اس کے بعد پھر واپس چلے گئے۔ اب درِ خیمہ کا منظر بدلا ہوا ہے۔ اب لیلیٰؑ درِ خیمہ پر نہیں ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ

امامؑ نے خود واپس بھیج دیا یا علی اکبرؑ ماں سے کہتے گئے کہ اب دعا نہ کیجیے گا۔

یہ مجھے نہیں معلوم، مجھے اتنا معلوم ہے کہ حسینؑ درِ خیمہ پر اکیلے جیسے کسی انتظار میں کھڑے ہیں۔ اک دفعہ ایک آواز آئی:

يَا اَبَتَاهُ عَلَيكَ مِنِّي السَّلَام

"اے بابا! میرے سلام، حسینؑ چلے، یا علیؑ، یا علیؑ"۔

پہنچ گئے علی اکبرؑ تک، علی اکبرؑ سینے پہ برچھی کھائے، باپ بیٹے کے سامنے بیٹھ گیا۔

کیوں دوستو! اللہ آپ کے جوانوں کو سلامت رکھے، بوڑھا باپ بیٹے کے سرہانے بیٹھا ہے۔ سینے میں ٹوٹا ہوا برچھی کا پھل ہے۔ بیٹے کی تکلیف کا اندازہ باپ کو ہے۔ اے حسینؑ! آپ پر لاکھوں سلام۔ ایک دفعہ علی اکبرؑ کو دیکھا آسمان کو دیکھا، اپنی تنہائی کو دیکھا آستین اُلٹیں، ایک ہاتھ زمین پر ٹیکا۔ ایک ہاتھ سے برچھی کا پھل پکڑا۔ بسم اللہ وباللہ سینے سے خون کا فوارہ نکلا، علی اکبرؑ کی آنکھیں بند ہوئیں۔ حسینؑ نے منہ پر منہ رکھ دیا: اے میرے لال اکبرؑ! اَجرُکُم علی اللّٰہ۔

علی اکبرؑ سدھار گئے، اٹھارہ برس کا جوان زمین پر پڑا ہے، بوڑھا باپ اکیلے بیٹھا ہے۔ خیمے میں ماں بہن اور پھوپھیاں تڑپ رہی ہیں اس میت کو وہاں تک جانا ہے۔ یہ اکیلے آدمی سے کیسے جائے گی۔ اک مرتبہ حسینؑ میت پہ جھکے، سینے سے سینا ملا، اب جو کھڑے ہوئے تو لاشے کو لیے ہوئے چلے درِ خیمہ پر پہنچے، زینبؑ کبریٰ نکلیں، ارے میرا لال! میرا علی اکبرؑ! ارے میرے گود کا پالا، واکبرا، واعلیا، وفاطمۃ، وامحمدا ـــــ علی اکبرؑ رخصت ہو گئے۔

اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ

مجلسِ دہم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ

خداوندعالم قرآن مجید میں ارشاد فرما رہا ہے: "یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے"۔ میں اپنے آغاز بیان سے پہلے دو حوالے مجھ سے پوچھے ہیں مجلسوں کے سلسلے میں، وہ عرض کردوں۔ اس کے بعد میں اپنا بیان شروع کردوں گا۔

ایک صاحب نے یہ پوچھا کہ آپ نے نہج البلاغہ کو کوٹ کیا ہے کچھ لوگ یہ کہتے ہیں نہج البلاغہ سید رضی نے لکھی ہے، مولائے کائنات کی نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بہت سی کتابیں اس مضمون پہ لکھی جا چکی ہیں کہ نہج البلاغہ مولا علیؑ کا کلام ہے۔ وہ ان کتابوں کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں جس کے اندر اُردو زبان میں منہاج نہج البلاغہ موجود ہے۔ رہ گیا کہ وہ اس لیے نہیں کہہ رہے ہیں کہ اسے سید رضی نے ترتیب دی ہے، بلکہ کچھ دشمنانِ اسلام یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں اسے محمدؐ نے لکھ لیا ہے۔ تو اب نہ ان کے کہنے سے قرآن اللہ کا کلام نہیں رہ جائے گا۔ ان کے کہنے سے نہج البلاغہ علیؑ کا کلام نہ رہ جائے گی ورنہ ہمارے علماء اسے ثابت کر چکے ہیں۔ اب یہ کوئی مسئلہ نہیں رہ گیا ہے۔

دوسری بات کا اِک حوالہ پوچھا تھا ایک صاحب نے کہ اذان میں علیٌّ ولی اللہ

جو میں نے پڑھا تھا اس کا حوالہ کس کتاب سے ہے؟ تو اس کا حوالہ یاد کر لیجیے کتاب الفقہ انیسویں جلد، لکھی ہوئی آیت اللہ سید محمد شیرازی کی اور اذان کی بحث ہے۔ اس کے اندر یہ روایتیں موجود ہیں ــــ (صلواۃ)

آپ کی خدمت میں جو میں نے موضوع شروع کیا تھا میں ممنون ہوں کہ آپ نے بڑی توجہ کے ساتھ اسے سماعت فرمایا اور آج ہمیں اس مضمون کو تمام کر دینا ہے۔ کل میرا سلسلۂ کلام امام حسنؑ کی ذاتِ اقدس تک آیا تھا۔ حسنؑ دنیا سے سدھارے اور حسینؑ کو اپنا جانشین معین کر کے گئے۔ بحکمِ خدا، کون حسینؑ، رسول کی گود کے پالے حسینؑ، رسولؐ کی زبان چوسنے والے حسینؑ، رسولؐ کے دل کی تمنا حسینؑ، جنت کے شہزادے حسینؑ، رسولؐ کے دوش کے سوار حسینؑ، جن کے لیے حضور نے کہا:

حُسَیْنٌ مِنِّی وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ

وہ حسینؑ جن کی روٹیاں سورۂ دہر آنے میں شریک ہوئیں۔ وہ حسینؑ جو شریکِ چادرِ تطہیر وہ حسینؑ، جو محافظِ اسلام وہ حسینؑ، وہ حسینؑ کہ جب پیدا ہوئے تو رسولؐ بیٹی کے گھر میں آئے اور اُم ایمنؓ سے کہا کہ لا میرے بچے کو لا۔ اُم ایمنؓ نے گھبراہٹ میں یہ کہہ دیا کہ ابھی تو میں نے پاک بھی نہیں کیا تو تیور بدل گئے۔ کہا: تو اُسے کیا پاک کرے گی جسے خدا نے پاک کر کے بھیجا۔

معلوم ہوا کہ حسینؑ وہ ہیں کہ جو دنیا میں آئے تو اس شان سے، اب اصول یاد رکھیے کہ نجاست ہمیشہ طہارت کی دشمن ہوتی ہے جو جو دشمنِ حسینؑ ملے یقین مانئے کوئی نجاست ضرور ہے جبھی تو حسینؑ کی دشمنی ــــ (صلواۃ)

حسینؑ پروردۂ آغوشِ رسالتؐ، حسینؑ شہزادۂ جنت، حسینؑ رسول کی زبان چوس کر بڑھنے والے، حسینؑ وہ جس کو مباہلہ میں خدا نے فرزندِ رسول کہا۔ وہ حسینؑ

حسنؑ کے بعد دین کی قیادت سنبھالتے ہیں اور دس سال اسی روش پر قائم رہتے ہیں، جو ان کے بھائی کی روش تھی، اور اس طریقے سے ان لوگوں کو منہ توڑ جواب دیتے ہیں جو کہتے ہیں حسنؑ و حسینؑ میں اختلاف تھا۔ اگر حسنؑ و حسینؑ میں اختلاف ہوتا تو حسینؑ دس سال وہ زندگی نہ گزارتے جو حسنؑ نے گزاری، دس سال کے بعد تاریخ اسلام ایک نیا موڑ لیتی ہے۔ شام کا حاکم اپنے بیٹے کی ولی عہدی صلح نامہ کے شرائط کے خلاف مستحکم کرتا گھومتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ جب تختِ اقتدار پر یزید کے قدم آتے ہیں، اور حسینؑ کے سامنے سوالِ بیعت رکھا جاتا ہے۔

میرے دوستو ـــــــ!

آج میری آخری تقریر ہے، زندہ رہے تو ان شاء اللہ کل پھر ملاقات ہوگی۔ لیکن آج میرے پاس وقت بھی بہت تنگ ہے، اور دوسری مجلسوں کے خیال سے ہوسکتا ہے میں پورے ایک گھنٹہ نہ پڑھوں، لیکن میرے ہر ہر جملے کو آپ پوری توجہ سے سنیں گے۔ اس لیے کہ تو مجلسوں کا خلاصہ ہے۔ آج کی میری یہ مجلس حسینؑ کے سامنے بیعتِ یزید آتی ہے۔ سارے مسلمان جو میری آواز سن رہے ہیں یا آج کے کسی وقت بھی اس کی کیسٹ سنیں اُن سب سے میرا کہنا ہے کہ پہلے یہ فیصلہ کرو کہ محمدؐ کے وفادار ہو یا کسی اور خاندان کے۔ پہلے بنیادی بات زبان سے نہیں دل سے طے کرو، اس لیے کہ اکثر ہم نے دیکھا ہے کہ زبان دل کا ساتھ نہیں دیتی۔ پہلے دل سے یہ طے کرو کہ محمدؐ کے وفادار ہو یا کسی اور خاندان کے۔ دوسری بات یہ ہے کہ محمدؐ کے مقابلے میں اگر کوئی آئے تو قابلِ عزت ہے کہ نہیں؟ قابلِ احترام ہے کہ نہیں، قابلِ تعظیم ہے کہ نہیں؟ چاہے وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، کیا محمدؐ کے سامنے آنے کے بعد کسی کی بڑائی، کسی کا عہدہ، کسی کا رتبہ کسی کی شخصیت باقی رہے گی؟ اگر رہے گی تو پھر اسلام کو چھوڑ ہی دو تو اچھا ہے۔ اور اگر محمدؐ کے سامنے آنے کے بعد، کسی کی شخصیت

باقی رہے گی تو خدارا یہ نہ کہنا کہ وہ بزرگ تھے، وہ صحابی تھے، وہ حافظ تھے۔ وہ قاری تھے ـــــ (صلواۃ)

یا تو ساری تاریخیں دریا میں ڈال دی جائیں یا تو ساری کتابیں ختم کر دی جائیں ورنہ جب تک قرآن رہے گا اس وقت تک اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ کُمْ کا لفظ رہے گا۔ پوچھئے علماء سے کہ محمدؐ اَبْنَآءَ نَا میں کسے لے گئے، حسینؑ مباہلے کے بعد علیؑ کے نہیں محمدؐ کے بیٹے ہیں، محمدؐ کے بیٹے کی موجودگی میں جو ابوسفیان کے پوتے کے ہاتھ پر بیعت کرے ـــــ (صلواۃ)

سنئے حسینؑ کو قرآن نے ابن رسول کہا ہے، یعنی رسول کا بیٹا اور رسولؐ کے بیٹے کی موجودگی میں پوری اُمت مسلمہ تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کے ابوسفیان کے پوتے کے ساتھ تھی۔ رسولؐ نے حسینؑ کے لیے کہا ہے: حُسَیْنُ مِنِّیْ "حسین مجھ سے ہے" اور کہا ہے یہ سردار ہے جوانانِ جنت کا۔ جنت کے سردار کو چھوڑ کے اُمت کدھر گئی؟

اب آپ مجھے بتایئے کوئی تیسرا گھر تو ہے نہیں ـــــ (صلواۃ)

ارے اب کس دن سمجھ میں آئے گا؟ اب اس کے آگے محشر میں سمجھ میں آئے گا۔ رسولؐ کے بیٹے کو چھوڑ کے، دیکھئے ایک بات میں عجیب کہنے جا رہا ہوں، میں پڑھ رہا ہوں یہاں، بالکل پڑھ رہا ہوں یہاں، لیکن میرے پڑھنے میں آپ کا کوآپریشن شامل ہے۔ آپ آتے ہیں تو میں پڑھتا ہوں۔ اگر آپ نہ آئیں تو کیا میں دیواروں کو سناؤں گا؟ کیا مسجد کے ستونوں کو سناؤں گا؟ تو یہ تو صحیح ہے کہ میں پڑھتا ہوں، مگر پڑھتا اس لیے ہوں کہ آپ سنتے ہیں۔ تو اگر یہ کوئی ثواب ہے تو میرے ساتھ آپ کو بھی ہے۔ اگر آپ سننے آنا چھوڑ دیں، میں پڑھنے آنا چھوڑ دوں، یزید خراب بُرا، بدتر، بڑے بڑے کیسوں میں جو سازش کے چلتے ہیں، اس میں

ہوشیار وکیل یہ کرتا ہے کہ ایک کو پھنسا کے سب کو بری کروا دیتا ہے۔ کہا ایک کو پھنساؤ باقی سب بچ جائیں گے ورنہ سب سزا پائیں گے یہی قتلِ حسینؑ کے کیس میں کیا مسلمانوں نے، کہ یزید کی بلی چڑھا کے سب کو بچالو۔ (صلواۃ)

سنئے یہی کیا مسلمان نے کہ یزید بُرا یزید بدتر، یزید خراب۔ ہم کہتے ہیں اکیلا خراب یزید کیا طاقت رکھتا تھا کہ وہ حسینؑ سے بیعت لے، جب تک پوری سوسائٹی نے اس کو سپورٹ نہیں کیا۔ کہا ارے اطہر صاحب بڑے جوش میں پڑھتے ہیں، اچھا جوش میں مجمع بھی تو آتا ہے اور پانچ آدمی ہال میں بیٹھے ہوئے ہوں، کہاں سے آئے گا جوش۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یزید بُرا، یزید خراب ان کے لیے کیا ارشاد ہے جنھوں نے بیعت کی تھی اس کے ہاتھ پر، یہ ایک کی بات نہیں ہے، یہ پوری سوسائٹی اور سماج کی بات ہے۔ اور یہ سماج رسولؐ کے چودہ سو برس بعد کا سماج نہیں تھا۔ رسولؐ کے پچاس برس کے اندر کا سماج تھا جس میں صحابہ تھے، جس میں تابعین تھے، جس میں راویانِ غدیر تھے، جس میں قاریانِ قرآن تھے اور یزید تختِ اقتدار پر، تو رسولؐ کے پچاس برس کے اندر یزید کے ہاتھ میں پاور آگیا۔ خالی اتنا کہہ دینے سے ذمہ داری ختم نہیں ہوگی کہ یزید خراب تھا، جنھوں نے یزید کو قدرت دی کہ وہ حسینؑ سے بیعت مانگے، ان کے لیے کیا فرماتے ہیں؟ جی! آج؟ سنئے ہم اپنے اماموں کو قرآن اور حدیث کی روشنی میں تو معصوم کہتے ہی ہیں۔ تاریخ میں بھی کئی بار امامت کی خطا نہ جتائی، جو علیؑ سے لڑے کسی نے کہا: خطا علیؑ کی بلکہ خطائے اجتہادی، حسنؑ نے صلح کی، تو کسی نے نہ کہا خطا حسنؑ کی بلکہ خلافتِ راشدہ اس دن ختم ہوئی جس دن حسنؑ نے صلح کی۔

معلوم ہوا کہ اب علیؑ کو تاریخ نے راشد بے خطا لکھا، حسنؑ کو تاریخ نے راشد لکھا، اب کوئی کہے کہ علیؑ اس لیے بے خطا کہ خلیفہ تھے اور جو اس سے ٹکرائے وہ خلیفہ

نہیں تھے۔اس لیے حق علیؑ کا، تو یزید خلیفہ تھا، حسینؑ خلیفہ نہیں تھے اب کہو حق کس کا___!؟ (صلوٰۃ)

تو تاریخ میں بے خطا کیرکٹر اگر لیں گے تو علیؑ، حسنؑ، حسینؑ تو ان کے ہوتے ہم اسلام کی رہبری کے لیے دوسروں کو کیوں چنیں اور میں تو اِک سیدھی سی بات جانتا ہوں کہ تاریخ لکھتی ہے کہ جنھوں نے اسلام میں یزید کی بیعت کرلی، جنھوں نے مطلب سمجھے آپ؟ یعنی سب مسلمانوں نے شام والوں نے، مصر والوں نے، حجاز والوں نے اور جہاں جہاں حکومت کا پھیلاؤ تھا سب نے یزید کی بیعت کرلی۔ یزید کی بیعت حسینؑ نے نہیں کی، اگر سبھوں کی بیعت سے یزید خلیفۂ برحق ہوگیا تو ایک حسینؑ کے کرنے نہ کرنے سے فرق کیا پڑتا ہے؟ اور جب حسینؑ نے بیعت نہیں کی تو لڑائی ہوئی۔ آج جمہور اسلام یہ کہتا ہے کہ یزید باطل پر حسینؑ حق پر تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب حسینؑ اور جمہور تلے تو حسینؑ بھاری نکلے جمہور ہلکا نکلا۔ تو ہم اس جمہور کو لے کے کیا کریں جو یزید کے ہاتھوں بکا ہوا ہو۔ صرف حسینؑ کو کیوں نہ لے جو یزیدیت کو ختم کردے___ (صلوٰۃ)

توجہ___!

آج تاریخ عجب موڑ پر آگئی، حسینؑ نے کہا: میں ہدایت کا وہ آفتاب بن جاؤں گا کہ اب کسی کو کہنے کی یہ گنجائش نہ رہے کہ روشنی کم تھی، روشنی کم تھی ہمیں بجھائی نہیں دیا۔ رات میں پانچ سو نمبر کا بلب لگادے، کاغذ دیا پڑھنے کو، کہا: ہمیں نظر نہیں آرہا ہے۔ صبح نماز کے بعد پھر دیا کاغذ پڑھنے کو، کہنے لگے کہ نظر نہیں آرہا ہے۔ بارہ بجے دن کو جب سورج بالکل سر پہ تھا دھوپ میں وہی کاغذ دیا پڑھنے کو، کہنے لگے کہ نظر نہیں آرہا ہے۔ اب روشنی کم نہیں ہے بلکہ آنکھیں خراب ہیں اور اب روشنی اس سے تیز ممکن نہیں ہے۔ بارہ بجے دن کو آسمان پر ایک ابر کا ٹکڑا نہیں، سورج پوری

طاقت سے چمک رہا ہے۔ کہا: نظر نہیں آرہا ہے۔ کہا: آنکھیں خراب ہیں روشنی کی کمی نہیں ہے۔ علیؑ نے روشنی ڈالی۔ کہا: نظر نہیں آرہا ہے۔ حسنؑ نے روشنی ڈالی، نظر نہیں آرہا ہے۔ حسینؑ کربلا کی دوپہر میں آئے۔ اب بھی نظر نہ آئے تو آنکھیں خراب ہیں۔۔۔۔ (صلواۃ)

سنیے۔۔۔۔!

ایک اس پچاس برس میں کیا ہوا، تو اس پچاس برس میں یہ ہوا کہ جب دنیا نے اہلِ بیتؑ کو چھوڑا، اور دنیا میں رسولؐ کے بتائے ہوئے میٹر کو ترک کیا اور مولائے کائناتؑ سے منہ کو موڑا تو علیؑ کے مقابلے میں اجماع آیا۔ علیؑ کے مقابلے میں شوریٰ آیا، یعنی کمیٹی، علیؑ کے مقابلے میں شوریٰ آیا، یعنی کمیٹی علیؑ کے مقابلے میں استخلاف آیا، حسنؑ کے مقابلے میں قہر وغلبہ آیا۔

علماء نے لکھا جو قہر وغلبہ سے ہوجائے وہ بھی خلیفۂ برحق، تو مسلمانوں میں خلیفہ سازی کے چار اصول بنے، یا اجماع سے بن جائے یا استخلاف سے بن جائے یا، شوریٰ سے بن جائے، یا قہر وغلبہ سے بن جائے جس طرح بنے صحیح۔ یزید پر چاروں اصول پورے اترتے ہیں، اجماع بھی اس پر ہوا، استخلاف بھی اس کے لیے ہوا، شوریٰ بھی اس کے لیے ہوا، قہر وغلبہ بھی اس کے لیے ہوا۔ امام حسینؑ انتظار میں تھے کہ ایک پر چاروں اصول جمع ہوجائیں، ایک وار میں سب کے سب ختم ہوجائیں۔ (صلواۃ)

کہاں ہے دنیا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیوں نہیں کہتے کہ یزید حق پر تھا، کیوں نہیں کہہ دیتے کہ حق پر تھا، شرمانا کاہے کا، کیا ہم سمجھتے نہیں؟ کیا ہم پہچانتے نہیں، لبوں پہ سیدنا حسینؑ ہے، دلوں میں اُلفتِ یزید ہے۔ پتہ کیسے لگتا ہے، پتہ ایسے لگتا ہے کہ حسینؑ کے سلسلے میں جو کام ہو اس پر اعتراض، ماتم کیسا؟ رونا کیسا؟ سبیل

کیسی؟ کھچڑا کیسا؟ علم کیسا؟ تعزیہ کیسا؟ سیدنا حسینؑ ہمارے، یہ کیا ہے میاں؟ یہ عزاداری پہ اعتراض کیوں، کیوں؟ سارا اسلام یہیں پہ کیوں، سارے دین کا درد یہیں پہ کیوں؟ نیاز کا شربت کیا معنے اگر واقعاً معنیٰ نہیں معلوم ہے تو ہم سمجھائے دیتے ہیں۔ شربت کیا ہے؟ یزید نے حسینؑ کو تین دن پیاسا رکھا تھا، ہمیں اس پیاس کا غم ہے۔ آج حسینؑ تو نہیں ہیں جو ہم انھیں پانی پلائیں تو ہم ان کے نام پہ پانی پلاتے ہیں۔ یہ ہے شربت، کھچڑا و نیاز کیا ہے؟ یزید نے تین دن حسینؑ کو بھوکا رکھا تھا، آج حسینؑ تو ہیں نہیں جو ہم انھیں کھانا کھلائیں، ہم ان کے نام پر کھلاتے ہیں۔ یہ ہے نیاز۔ ماتم کیا؟ یزید نے حسینؑ کی بہنوں کو ماتم نہیں کرنے دیا تھا، آج ہم ان کی یاد میں ماتم کرتے ہیں۔ یہ ہے ماتم، علم کیا؟ یزید کے لشکر والوں نے حسینؑ کے علم دار کو مار ڈالا تھا، لہٰذا ہم علم اُٹھاتے ہیں، یہ ہے علم، رونا کیا؟ جس کو جس سے محبت ہے اس کی شہادت پر روتا ہے، ہمیں حسینؑ سے محبت ہے۔ لہٰذا ہم روتے ہیں۔

اب آپ سمجھے کیا، کیا کا جواب ملا؟ کیا، سمجھ میں آیا، اب اگر اس کے بعد بھی کچھ ہے، تو سرکار فرما گئے ہیں رو کر کہ حسینؑ کے غم میں رونا میری سنت ہے۔ یزید تو بُرا تھا، حسینؑ اچھے تھے مگر اتنا ہر سال رونا پیٹنا کیوں؟ خوشی مناؤ وہ بڑے درجے پہ پہنچے عید مناؤ۔ انھوں نے اسلام کو بچالیا، اسلام زندہ ہوگیا۔ عاشور کا دن تو عید کا دن ہونا چاہیے؟

آپ کیا دنیا میں نہیں رہتے کہیں اور رہتے ہیں؟ ہندوستان میں میرے سامنے کتنی مثالیں ایسی ہیں کہ جنگ کے زمانے میں کسی گھر کا کوئی لڑکا مادرِ وطن پہ قربان ہوا۔ تو جب نیوز آئی تو گھر میں کہرام مچا۔ پھر اس کے بعد معلوم ہوا کہ اس لڑکے نے ایسی بہادری کے کام کیے تھے کہ اس کو پریذیڈنٹ ایوارڈ ملے گا تو وہ تو مرگیا جو ایوارڈ لینے والا تھا۔ کہا: اس کا باپ جائے گا، اس کی ماں جائے گی، اس کی

بیوہ جائے گی۔ کیا آپ نے ٹی وی پہ وہ تصویریں نہیں دیکھی ہیں کہ آنکھوں میں آنسو، ہاتھ میں ایوارڈ، ایوارڈ ملنے کی خوشی ہے مگر دوست کے بچھڑنے کا غم ہے۔

بس آپ سمجھ لیجیے آنکھوں میں آنسو، ہاتھ میں علَم ـــــ (صلواۃ)

آنکھوں میں آنسو، ہاتھ میں علَم، دیکھیے غم دو طرح کا ہوتا ہے: ایک روتا ہے انسان سر فخر سے اُونچا ہے، شرمندگی نہیں ہے۔ ہم حسینؑ پر ماتم کرتے ہیں شرمندہ نہیں ہوتے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض چہروں پر شرمندگی کی زردی کیوں ہے؟ کیا تمھیں شرم نہیں آتی کہ اتنے بڑے بڑے مجمع میں اہلِ بیتؑ کی اسیری کے قصے سناتے ہو؟ تمھیں شرم نہیں آتی پاک بیبیوں کے قید ہونے کے واقعات مجمعِ عام میں پڑھتے ہو؟ ہندوستان کی آزادی کو ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا، مجھ کو اور میری عمر کے لوگوں کو ۴۷ء سے پہلے کا پیریڈ یاد ہوگا۔ کتنے تھے جو جیل میں رہے، کتنے تھے جنھوں نے پولیس کی مار کھائی۔ بعد میں جب ملک آزاد ہوا تو منتری ہوئے۔ جاگرنی لکھی گئی تو لکھا گیا اتنے دنوں جیل میں رہے، فلاں تھانے پر فلاں انسپکٹر نے ان کو مارا، فلاں جگہ قید تنہائی ہوئی۔ آپ کو یہ شرم نہیں آتی؟ ارے بچے تھے مگر تھانے پر لکھ دیا کتاب میں، پولیس لاٹھی چارج میں مار کھائی۔ سر میں سات ٹانکے لگے اور تصویر چھاپ دی کتاب میں، تین برس دلی لال قلعے کی جیل میں رہے۔ احمد نگر کے قلعے میں بند رہے۔ شرم نہیں آئی۔ چھاپ دیا۔ تو ان نیتاؤں نے کہا: شرم کس بات کی؟ کوئی ہم چوری میں گئے تھے، ہماری قید نے ملک کو آزاد کیا ہے۔ ہمیں اپنی قید پہ ناز ہے۔

بس سنیے: اہلِ بیتؑ کی اسیری نے اسلام کو آزاد کیا ہے۔ شرمائیں وہ جو ظلم و کفر میں پکڑے جاتے ہیں ـــــ (صلواۃ)

سنیے: حسینؑ رسولؐ کا بیٹا، رسولؐ کا خون، رسولؐ کا گوشت، رسولؐ کی آواز، رسولؐ کا انداز۔ کہا: صبح قیامت تک کا فیصلہ کل اس لڑائی میں ہو جائے تاکہ اس کے

بعد کی جو تاریخ ہو، وہ اگر حق کو سمجھنا چاہے تو کربلا کے آفتاب کی روشنی میں آجائے حق سمجھ میں آجائے گا۔ اور اگر کوئی سمجھنا ہی نہ چاہے تو دیکھیے اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ دیکھئے اگر آدمی کی آنکھوں میں بیماری ہے تو آپ اُسے لے جایئے آنکھوں کے ڈاکٹر کے پاس وہ علاج کردے گا، اور ٹھیک بھی ہوسکتا ہے وہ، لیکن اگر بنا ہوا اندھا ہو، محض بھیک مانگنے کے لیے آنکھیں بند کر کے بیٹھتا ہے سڑک پر تو اس کا علاج کہاں سے ہوگا؟

آپ بتایئے، بھئی بنے ہوئے اندھے کا علاج کسی ڈاکٹر کے پاس ہے، مجھے بتایئے؟ بس اسی طرح میں نے تاریخ کا تجزیہ کردیا، جن کے دل میں واقعاً جذبہ ہے ان کو حق نظر آجائے گا، لیکن جو بنے ہوئے اندھے ہیں ــــــ (صلواۃ)

آج ساڑھے تیرہ سو برس ہوئے واقعۂ کربلا کو، یزید حسینؑ سے بیعت مانگ رہا تھا، حسینؑ نے بیعت سے انکار کرکے سر دے دیا۔ سر دے دینا کوئی بڑی بات نہیں ہے، مگر جس طریقے سے حسینؑ نے سر دیا اس کی مثال ہی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک دن کا اخبار پڑھئے۔ کبھی پانچ آدمیوں کے مرنے کی خبر، کبھی سو آدمیوں کے مرنے کی خبر، کبھی ہزار آدمیوں کے مرنے کی خبر، انسانی جان کی قیمت نہیں ہے۔

میرے دوستو ــــــ!

جان کی کبھی قیمت نہیں ہوتی ہمیشہ کوالٹی کی قیمت ہوتی ہے۔ آپ یاد رکھیے روز بہتّر سے زیادہ آدمی دنیا میں مرتے ہیں مگر کسی کو یاد بھی نہیں رہتا۔ حسینؑ نے بہتّر قربانیاں دی ہیں مگر ساڑھے تیرہ سو برس سے دنیا ماتم کررہی ہے۔ کوالٹی کی قیمت ہے۔ معیار کی قیمت ہے۔ یہ کوالٹی تھی کربلا والوں کی، حسینؑ نے اپنے ساتھ بہتّر لیے، لیکن وہ بہتّر نہیں تھے، پتہ نہیں وہ بہتّر ارب، پتہ نہیں وہ بہتّر کھرب انسان تھے۔ کتنے تھے وہ اس کو بس حسینؑ سمجھ سکتے ہیں یا حسینؑ کا پروردگار۔ اور آگئے مقابلے

کے لیے کہ آؤ میدان میں، اور تاریخ کے اندر صبح قیامت تک یہ چیز یادگار رہے گی۔ کھلا ہوا انکار بیعت۔ میں بیعت نہیں کروں گا۔ مدینے سے مکّے آگئے۔ مکہ حرم خدا ہے، یعنی حسینؑ خدا کی پناہ میں آئے، مگر ظالموں نے مکہ میں بھی حسینؑ کے لیے قاتل بھیجے، تو حسینؑ کا مکہ سے بڑا پرانا رشتہ تھا۔ کعبہ حسینؑ کے بڑے دادا کا بنوایا ہوا، کعبہ میں لا الٰہ الا اللہ کہنے والے حسینؑ کے نانا، کعبے میں پیدا ہونے والے اس کو بتوں سے پاک کرنے والے حسینؑ کے باپ، چلے آئے حسینؑ کعبے میں، کربلا میں آ کے ٹھہرے۔ دوسری کو نہیں لڑے، تیسری کو نہیں لڑے، چوتھی کو نہیں لڑے، پانچویں کو مقابلہ نہیں کیا، چھٹی کو مقابلہ نہیں کیا۔ ساتویں سے دشمن نے پانی بند کیا۔ تو حسینؑ اگر طاقت سے نہیں ڈرتے تو تکلیف سے تو ڈریں گے؟ حسینؑ تو حسینؑ تھے کسی بچے نے بھی نہ کہا: مولا بیعت کر لیجیے بہت پیاسے ہیں۔ ساتویں سے نویں تک پانی بند رہا۔ عاشورؑ کو شہادت ہوئی، اسیروں کا قافلہ شام تک گیا۔ مسلمان سب دیکھتے رہے، مسلمان سب سنتے رہے، مسلمان موجود رہے، کھانا کھاتے رہے، پانی پیتے رہے۔ یزید کے انعامات کی آس لگائے بیٹھے رہے۔ ہاں ایک آواز ہمیں ضرور ملی یزید کے دربار میں ایک سفیر نے جو عیسائی تھا، کھڑے ہو کے پرستش کی کہ کیا تمہارے نبی کا نواسہ اور تم نے مار ڈالا؟ یعنی مسلمانوں تم پر حیف کہ عیسائی کہے تم سے اور تمہیں شرم نہ آئے۔ اور اگر اب بھی نہ سمجھو تو خدا کی دھتکار، کہ برسوں سے عیسائی تم پر حکومت کرتے آئے ہیں اور تم ان کے غلام بنے بنے گھوم رہے ہو۔ یہ دھتکار ہے آلِ محمدؐ کو چھوڑ دینے کی ــــــ (صلوٰۃ)

اب بھی سنیے مسلمان آج بھی یہودیوں کے سامنے ذلیل ہو رہا ہے جس کو یقین نہ ہو وہ اخبار پڑھ لے۔ دوسری طرف عیسائی ملک ہیں جو اپنی انگلیوں پر نچاتے ہیں۔ یہ اس اُمت مسلمہ کو کیا ہو گیا جو عیسائیوں کے ہاتھوں بھی ذلیل ہو رہی ہے،

یہودیوں کے ہاتھوں بھی۔

توجہ، ارے ــــــ! یہ تو رسولؐ کے زمانے میں تھا، خیبر میں بھی یہودی تھے، مباہلہ میں عیسائی، جب تک اہل بیتؑ نہ آگئے نہ خیبر فتح ہوا نہ مباہلہ ــــــ (صلواۃ)

آپ دیکھیں کہ حسینؑ نے اپنی شہادت سے اِک نور کا منارہ بنا دیا، اور کہہ دیا: یا اِدھر آؤ یا اُدھر جاؤ۔ اب ساڑھے تیرہ سو برس سے دنیا دو لشکروں میں بٹ گئی ہے۔ کچھ لشکرِ یزید میں ہیں، کچھ لشکرِ حسینؑ میں ہیں۔ پتہ کب چلتا ہے جب محرم آتا ہے۔ یزید کے لشکر والے اپنے کیمپ میں چلے جاتے ہیں، حسینؑ کے لشکر والے اپنے کیمپ میں آجاتے ہیں۔ ہر سال محرم آتا ہے، حسینؑ کے عزادار خون میں نہائے ہوئے السلام علیك یا ابا عبداللّٰه، یہ سوگوار قوم آپ کو سلام کرتی ہے، ہمارا سلام قبول کیجیے۔ کئی دنوں کے تھکے ہوئے صبح سے جاگے ہوئے شام سے لے کر اس وقت تک ماتم کیے ہوئے، سینے فگار، سر زخمی، خون میں تر بہ تر، ارے کیا ہو گیا تمہیں؟ کہا: سیدہؑ کا لال خون میں ڈوب گیا۔ سوگواروں تم کو معلوم ہے، شبِ عاشور آ گئی، دنیا ہماری مجلسوں میں آ کے دیکھے آج حسینؑ کو یہ مجمع رخصت کرنے آیا ہے۔ سب حسینؑ کو الوداع کہنے آئے ہیں۔ سیدہؑ کے لال خدا حافظ۔

ذکرِ مصائب!

کل تک علی اکبرؑ کا ذکر ہوا، آج مجلسوں میں حسینؑ کا تذکرہ ہوتا ہے۔ روایت میں ہے کہ جب علی اصغرؑ کی تربت بھی بنالی تو اِک مرتبہ آہستہ آہستہ درِ خیمہ کی طرف بڑھے، عجب حال تھا حسینؑ کا۔ سر سے پاؤں تک خون میں ڈوبے ہوئے، چہرے پر علی اصغرؑ کا لہو، کپڑوں پہ علی اکبرؑ کا لہو، ہاتھوں میں خاکِ تربتِ جناب علی اصغرؑ، درِ خیمہ پر آئے۔ یا زینبؑ و یا اُمِ کلثومؑ، یا سکینہؑ و یا رقیہؑ

علیک مِنّی السّلام، اے زینبؑ، اے اُم کلثومؑ، اے سکینہؑ، اے رقیہؑ! تم سب کو میرا اسلام۔

خیمے سے رونے کا شور اُٹھا۔ حسینؑ خیمے میں گئے، بیمار بیٹے کے سرہانے بیٹھے، بڑی دیر کچھ باتیں کرتے رہے۔ ہم نے وہ باتیں نہ سنیں، تاریخ نے صرف اتنا سنا کہ جب اُٹھنے لگے تو یہ کہتے ہوئے اُٹھے کہ بیٹا جب قید سے چھوٹ کے جانا تو میرے دوستوں کو میرا اسلام کہہ دینا، اور کہنا کہ جب پانی پینا تو میری پیاس یاد کر لینا۔ اور اب جو آگے بڑھے تو بہن کو بلایا۔ کہا: بہن! میرے پرانے کپڑے دے دو۔ اِک پرانا لباس دے دو۔ بہن نے تڑپ کے پوچھا: بھیا! کیوں؟ کہا: بعد شہادت یہ بے دین دشمن اُتار نہ لیں، بہن بھائی کا کفن لیے ہوئے آئی۔ حسینؑ نے پرانے لباس کو لیا اور پارہ پارہ کر کے پہنا۔ پالنے والے فریاد! جس کے لیے عید کے دن کپڑے آئے تھے تیری سرکار میں آنے کے لیے کپڑے بدل چکا۔ اَجرُکُم عَلَی اللّٰہ۔

آگے بڑھے، سیدانیوں نے رخصت کرنے کے لیے حلقہ بنایا، حسینؑ بیچ میں آئے، ایک ایک کے چہرے پہ نظر تھی، کہا: دیکھو میرے غم میں صبر کرنا، اس کے بعد ہاتھ اُٹھائے، عمامہ ہاتھوں پہ لیا، اے خدا! انھیں میرے غم میں صبر دے دے۔ حلقہ ٹوٹ گیا، حسین آگے بڑھے، مگر دامن سے لپٹی سکینہؑ اس مجمع میں جو ایسے لوگ بیٹھے ہوں جن کو اللہ نے لڑکیاں بھی دی ہوں وہ جانتے ہوں گے کہ بیٹی باپ سے بڑا پیار کرتی ہے۔ سکینہؑ باپ کے دامن سے لپٹی ہوئی بابا مجھے چھوڑ کر نہ جایئے، ارے میرے بابا! ہائے میرے بابا!

عزیزو۔۔۔!

جو میرے دل میں ہے کیسے سنا دوں آپ کو۔ بابا نہ جایئے۔ کہا: بیٹا صبر کرو۔ بیٹی دامن چھوڑ دو۔ کہا: اچھا بابا آپ کہتے ہیں دامن چھوڑ دیتی ہوں، اور اگر آپ جا

جی رہے ہیں تو مجھے نانا کے روضے پہ پہنچا دیجیے۔ اے بالی سکینہؑ مدینہ جا کے کیا کیجیے گا۔ آپ کو تو شام میں سونا ہے۔ ہائے بے کس، ہائے باپ کے سینے پر سونے والی سکینہؑ، قید خانے میں گھٹ گھٹ کے مر گئیں۔

ہاں آج شبِ عاشور ہے، روئیے۔ زینبؑ نے رکاب تھامی۔ حسینؑ گھوڑے پہ بیٹھے آگے بڑھے، آواز دی: حبیبؓ، زہیرؓ، مسلمؓ، شاید کائنات تڑپ گئی۔ جب پکارا: ارے میرے لال علیؑ اکبر، اب شاید جہانِ وفا میں تلاطم ہو گیا۔ جب آواز دی: ارے میرے بھیا عباسؑ! کہاں ہو اٹھو۔ دل کو سنبھالا، آستینوں کو اٹھایا، دشمن کا لشکر سامنے آیا۔ قیامت کی لڑائی لڑے حسینؑ۔ صبح سے شام تک کی لڑائی ایک طرف اور اکیلے حسینؑ کی لڑائی ایک طرف، لڑتے لڑتے آسمان پر نظر گئی۔ نہ جانے کیا دیکھا کہ، تلوار کو نیام میں رکھا، آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ایک جگہ آئے اور آن کے ٹھہر گئے۔ چاروں طرف سے دشمن نے گھیرا۔ کسی نے نیزہ مارا، کسی نے تلوار، کسی نے پتھر، خنجر، تیر۔

سنیے ایک منٹ، اب حسینؑ پشتِ فرس پر جھومنے لگے۔ ایک تیر سینے پہ آن کے لگا، ایک نیزہ پہلو پہ لگا، گھوڑے سے زمین پہ گرے، شمر خنجر لیے آگے بڑھا۔ سیدہؑ کا لال سدھار گیا۔ وامحمدا واعلیا، واحسینا ـــــ یا حسینؑ، یا حسینؑ، یا حسینؑ۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ



ادارہ منہاج الصالحین لاہور